احوال و آثار

مولانا محمد زبیر الحسنؒ کاندھلویؒ

دعوت و تبلیغ کے حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسنؒ
کے فرزند ارجمند مولانا محمد زبیر الحسن کاندھلوی کے
علمی، عملی احوال و آثار، دعوتی و تبلیغی جد و جہد و قربانیاں
اور آپ کی پاکیزہ حیات کے تابندہ نقوش

تالیف

سید محمد شاہد سہارنپوری

امیر عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

ناشر

مکتبہ یادگار شیخ، محلہ مبارک شاہ سہارنپور یوپی

حضرت جی ثالث کی وفات اور فتنوں کی برسات

۹ر محرم ۱۴۱۶ھ/ ۹ر جون ۱۹۹۵ء میں حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کی وفات پر اس دور زریں کا اختتام ہوا جس کا آغاز حضرت مولانا محمد الیاس کے عہد مسعود میں ہوا تھا۔

اس سانحہ وفات کے فوری بعد آپ کی متعین کردہ عالمی شوریٰ کے متعدد اراکین بشمول حضرت الحاج عبد الوہاب، حضرت مولانا مفتی زین العابدین اور جناب محمد افضل وغیرہ وغیرہ دہلی مرکز تبلیغ تشریف لائے، نماز جنازہ اور تدفین کے مراحل سے فارغ ہو کر ۱۲ر جون ۱۹۹۵ء/ ۱۲ر محرم ۱۴۱۶ھ کو ان حضرات نے اپنے اجتماعی مشورہ میں دو باتیں بہت اہمیت کے ساتھ طے کیں۔

اول یہ کہ کسی بھی شخص کو امیر مقرر نہ کر کے بنگلہ والی مسجد کے لئے پانچ افراد کی شوریٰ متعین کی اور طے کیا کہ یہ شوریٰ نوبت بہ نوبت ایک ایک ہفتہ فیصل رہ کر دعوتی و تبلیغی امور کا نظم و انتظام چلائے گی۔

دوسری یہ کہ مرکز نظام الدین کی چہار دیواری میں سلسلہ بیعت ختم کیا جاتا ہے۔ اب یہاں پر کوئی شخص کسی کو بیعت نہیں کرے گا۔

مولانا زبیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے کہ انہوں نے حضرت جی ثالث کی وفات کے بعد عالمی شوریٰ کے اس فیصلہ کے احترام میں بیعت کرنے میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی۔ حالانکہ حضرت شیخؒ نے آپ کو تبلیغی مصلحت سے ہی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی تھی اور وقت کے بہت سے اکابر نے طالبینِ اصلاح کو آپ سے رجوع کرنے اور روحانی تعلق رکھنے پر متوجہ کیا تھا۔

انہوں نے اپنا معمول یہ بنا لیا تھا کہ جب ان سے بیعت ہونے پر اصرار کیا جاتا

تو وہ اتنا کہہ دیا کرتے تھے کہ والد صاحب کی بیعت ہی کافی ہے۔ اب آپ ان کے بتلائے ہوئے معمولات پر عمل کریں اور جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لیا کریں۔

کاتب سطور ان کی مجلس میں بہت کثرت سے یہ منظر دیکھا کرتا تھا کہ اہل دعوت اور اہل علم ان سے بیعت ہونے کے لئے اصرار کرتے مگر وہ یہ ہی کہہ کر انکار کر دیا کرتے تھے کہ شوریٰ کی طرف سے ممانعت ہے۔

جو درخت جتنا سایہ دار اور بڑا ہوتا ہے اور جتنی اس کی چھاؤں گھنی ہوتی ہے اور جب کسی وجہ سے گرتا ہے تو اس کی آواز نہ صرف دور دور تک سنائی دیتی ہے بلکہ اس کے گرنے کی وجہ سے گرد و غبار اور دھول مٹی بھی بہت دور دور تک فضا کو مکدر کر دیتی ہے۔

کچھ ایسا ہی نظام اس دنیائے رنگ و بو میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبین اور روحانی صفات و احسانی کمالات سے متصف مخلصین کے لئے کر رکھا ہے کہ ان کی وفات سے نہ صرف دنیا کی فضا مکدر اور خراب ہو جاتی ہے بلکہ ان کی نالۂ شبی اور آہ و بکاہ کی برکت سے فتنوں کے جو دروازے بند ہوتے ہیں وہ ان کے اٹھ جانے سے کھل جاتے ہیں اور پھر مداہنت و منافقت کا بازار گرم ہو جاتا ہے اور اندر کا کھوٹ باہر آ کر دلوں میں توڑ پیدا کر دیتا ہے۔

حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن بلاشبہ اس دور کے خاصان خدا میں تھے اولیاء کبار میں ان کا شمار ہوتا تھا، اپنے وقت کے صاحب ارشاد شیخ تھے دعوت اور دعا ان کا خصوصی وصف تھا، جلال و جمال کا سنگم تھے۔ بارگاہ الٰہیہ سے ان کو شان تمکین و تمکنت عطا کی گئی تھی۔ وہ حضرت مولانا محمد الیاس کے بہترین وارث اور حضرت مولانا محمد یوسف کے سچے جانشین تھے۔ قطب عالم حضرت شیخؒ اور وقت کے تمام اکابر کے متفقہ فیصلہ کے مطابق انہوں نے اس وراثت اور جانشینی کی ذمہ داریاں کامل طور پر پوری کی تھیں۔

چنانچہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا کہ ان کے اٹھتے ہی فتنوں کے بند دروازے کھلتے چلے گئے۔ یعنی!

دیوار کیا گری مرے کچے مکان کی
یاروں نے گھر کے صحن میں رستہ بنا لیا

اور وہ چونکہ ایک عالمی امیر ہونے کے حیثیت سے عالمی کام کی سربراہی فرما رہے تھے اس لئے فتنے بھی عالمگیر شکل میں سامنے آئے۔

ان میں بعض فتنوں نے تو ایسی خطرناک شکل اختیار کی کہ مرکز تبلیغ نظام الدین کے بام و در ہل گئے خلوص اخلاص اور للّٰہیت کے جنازے نکلتے ہوئے لوگوں نے دیکھے اور چشم بصیرت نے ان جنازوں پر مولانا محمد الیاس، مولانا محمد زکریا، مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کی ارواح مقدسہ کو روتے ہوئے پایا۔

مولانا زبیر مرحوم کا صبر وتحمل اور سکوت پیہم

لیکن دنیا نے اس وقت بھی اس کا اعتراف کیا اور آج بھی وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ ان تمام سخت اور صبر آزما حالات میں مولانا زبیر مرحوم استقامت عزم و ہمت اور تسلیم و رضا کا پیکر بنے رہے اور بڑے سے بڑے ناگوار واقعہ پر بھی وہ کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لائے۔ ردِ عمل کے طور پر وہ بھی بہت کچھ منصوبے بنا سکتے تھے لیکن نہیں بنائے۔

وہاں کی چہار دیواری میں ان کے والد ماجد مرحوم کے نام اور کام کو حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوششوں کے ساتھ ساتھ خود مولانا زبیر مرحوم کو بھی دیوار سے لگانے کی بیحد جدوجہد کی گئی ان کے ساتھ بھرپور استخفاف کا معاملہ کیا گیا اور قدم قدم پر ان کو یہ بتلایا گیا کہ ہمارے نزدیک اس چہار دیواری میں آپ کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں اور کل جس طرح ہمیں آپ کے والد مرحوم کی ضرورت نہیں تھی اسی طرح آج آپ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن یہ ان کا طبعی کمال اور جوہری وصف تھا کہ وہ روزانہ صبح نو بجے مرکزی شوریٰ میں بڑے اطمینان اور بشاشت کے ساتھ جاتے اور پھر وہاں اپنی ذات اور دعوتی امور و معاملات کے ساتھ ہونے والے طرز عمل کی وجہ سے بڑی ضیق اور انقباض کے ساتھ واپس

آتے وہ مشورہ میں ہر روز شانِ امارت اور شانِ حاکمیت کا کھوکھلا اور بے مقصد نظارہ دیکھتے لیکن خاموش رہتے، بہت سے بہت یہ کر لیتے کہ کئی کئی دن مشورہ میں شریک نہ ہوتے۔

والد ماجد کی وفات کے بعد انہوں نے تسلیم و رضا کو اپنی عبادت اور سکوت و خاموشی کو اپنی عادت بنا لیا تھا، وہ صبح سے شام تک مرکز میں سب کچھ دیکھتے اور سنتے تھے لیکن ہونٹوں پر لگی ہوئی مہر سکوت نہیں توڑتے تھے۔ ان کے اس عمل میں یقیناً ان کے والد ماجد کی وہ منامی ہدایت بھی شامل تھی جس کے الفاظ یہ تھے کہ!

''زبیر و شاہد سے کہہ دینا کہ زبان بند رکھیں البتہ یہ دیکھتے رہیں کہ کون کیا کر رہا ہے۔''

ایک مرتبہ ایسے ہی سخت حالات میں شوریٰ سے فراغ پر وہ اپنے حجرے میں واپس آئے تو چہرے پر دوران مشورہ پیش آنے والے احوال کا شدید تاثر تھا اسی وقت حضرت جی ثالث کے کچھ خواص نے حجرہ میں آکر ان سے اس صورت حال پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کچھ کہنے سننے کی اجازت چاہی۔ قریب تھا کہ مولانا مرحوم کی آنکھوں کے پیمانے چھلک جاتے اور ضبط کا بندھن ٹوٹ جاتا لیکن راقم سطور نے (جو اس مجلس میں موجود تھا) فوراً فارسی کے مشہور شاعر ''خاقانی'' کے اشعار پڑھ کر شرکائے مجلس کے جوش و جذبات کو نہ صرف ٹھنڈا کر دیا بلکہ مجلس کا رخ ہی موڑ دیا تھا۔

خاقانی کے وہ اشعار آپ بھی پڑھ لیں!

قل ہو اللہ کہ وصفِ خالق ما است　　زیرِ تبت یدا ابی لہب است
گر فروتر نشست خاقانی　　نے مرا تنگ نے ترا ادب است

ان کی موجودگی میں ان کے سامنے ہر ہر لمحہ اُن کے والد ماجد کے ۳۲ رسالہ دور امارت کے دعوتی و تبلیغی کام کی نفی کی گئی اور ہر ہر لحظہ وہاں کے منبر و محراب سے یہ آواز بلند کی گئی کہ ان کے دور امارت کے ۳۲ رسالہ بگاڑ کو ہم آہستہ آہستہ دور کریں گے۔

صاحبزادہ صاحب کی جانب سے برملا تقریروں میں اعلان کیا جاتا رہا کہ مولانا

یوسف تک تو یہ کام دعوتی اور تبلیغی رہا۔ بعد کے لوگوں نے اس کو تحریک بنا دیا۔

عام سننے والے بھی اس جملہ میں پوشیدہ زہرناکی کو برداشت نہیں کر پاتے تھے تو پھر مولانا مرحوم پر تو کتنی سخت گذرتی ہوگی۔ روزمرہ کی تقریروں میں ان کا نام لینا یا ان کے دور امارت کی دعوتی و تبلیغی سرگرمیوں اور ممالک غیر میں کام کے استقبال اور اس کی وسعت و مقبولیت کا ذکر کرنا ایک شجر ممنوعہ قرار دیا گیا لیکن اللہ کے اس مرحوم بندہ نے اس پر گرم و سرد آہیں تو خوب بھریں مگر احتجاج کبھی نہیں کیا اگر وہ ایسا کرتے تو یقیناً ایک عالم کا عالم ان کا ساتھ دیتا۔ کیونکہ دنیا اندھی نہیں تھی کہ وہ حضرت جی ثالث کے کام اور مقام کا انکار کر دیتی۔ (۱)

اور آپ اس کو حضرت حق جل مجدہ کی بے نیازی سمجھیں یا مقام عبرت کہ ۳۲ رسالہ بگاڑ دور کرنے کے دعویداروں کو حضرت جی ثالث کی بے حد وسیع و عمیق ذات اور روحانی قدروں سے مالا مال شخصیت اور صفات سے اتنی نسبت بھی نہیں تھی جتنی ذرہ کو آفتاب سے ہوتی ہے۔ سچ ہے لا تعمی الابصار ولا کن تعمی القلوب التی فی الصدور.

اور اس کے بالمقابل گذشتہ بیس بائیس سالوں میں حضرات شیخین (مولانا محمد الیاس و مولانا محمد یوسف) کے لاتعداد ملفوظات و ارشادات منبر و محراب سے ایسے ایسے سنائے جا چکے کہ زیادہ تر ان کا تعلق بے صفحہ کی کتاب سے ہے اور بطون اوراق ان سے خالی ہیں۔ اور یہ ہی وجہ ہے کہ ان ملفوظات و ارشادات کی خوشبو مرکز کی چہار دیواری میں نہیں پھیل سکی۔

---

(۱) حضرت جی ثالث کے بعد کے ابتدائی چند سالوں میں صاحبزادہ صاحب کا یہ ملفوظ اس طرح تھا کہ!

''اس دعوتی کام کے دو دشمن ہیں۔ ایک شیخ کہ انہوں نے میرے دادا کی گدی مولوی انعام کو دے دی اور دوسرے دشمن مولوی انعام ہیں کہ انہوں نے اس کام کو ایک تحریک بنا دیا۔''

لیکن بعد میں ان کو اس ملفوظ کی زہرناکی اور خطرناکی کا احساس ہو کر اندازہ ہوا کہ بیک وقت دو پہاڑوں سے ٹکرانا آسان نہیں ہے۔ تب انہوں نے حضرت شیخ کا حوالہ دیئے بغیر صرف حضرت جی ثالث کو نشانہ بنا کر اپنا یہ ملفوظ کھلم کھلا تقریروں میں بیان کرنا شروع کر دیا۔

نصف صدی سے زائد جان ومال اور زندگی کھپانے والوں میں شامل مولانا اسماعیل گودھرا، مولانا عثمان کاکوی گجرات، مولانا عبدالرحمٰن رویانہ، جناب فاروق بھائی بنگلور، پروفیسر خالد صدیقی علی گڑھ، پروفیسر محمد محسن لکھنؤ، پروفیسر ثناء اللہ علی گڑھ، پروفیسر عبدالرحمٰن مدراس نے بھی اپنے اپنے دستخطوں سے جو طویل مکتوب ''ذمہ داران دعوت وتبلیغ اور ہمدردان ملت کے نام ۲۵؍شوال ۱۴۳۷ھ/۳۰؍جولائی ۲۰۱۶ء میں مرتب کر کے ہندوستان، پاکستان، سعودی عرب، قطر، کویت، بیلجیم، مصر، فرانس اور یمن وغیرہ کے عمائدین تبلیغ کو بھیجا تھا۔ اس میں بھی حضرت جی ثالث، حضرت مولانا محمد انعام الحسن کی شخصیت کو داغ دار اور ان کے کام اور مقام کو بے قیمت اور بے حیثیت بنانے کی اس مذموم کوشش کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

''مولانا انعام الحسن صاحب کے تیس (۳۰) سالہ دور دعوت کو تنظیم کے نام سے الجھایا اور مجمع کے سامنے یوں کہا گیا کہ مولانا الیاس اور مولانا یوسف صاحب کے زمانے میں (تو دعوتی وتبلیغی) کام ہوا، بعد میں کام نے تنظیم کی شکل اختیار کرلی، جس کا منفی اثر یہ ہوا کہ عملہ کی زبان پر یہ بات آنے لگی کہ مولانا انعام الحسن صاحب ان دونوں بزرگوں کی دعوت کو سمجھ ہی نہیں سکے اور تیس (۳۰) سالہ دور برباد کردیا گیا۔''

اس نوع کے رکیک جملوں کو سن سن کر گزشتہ ۲۰؍۲۲ سالہ دور میں بلا مبالغہ احباب تبلیغ کے سینکڑوں خطوط ہندوستان اور دور ونزدیک کے ممالک سے اس مضمون کے موصول ہو چکے ہیں کہ!

کیا مولانا انعام الحسن نے اپنے ۳۰ سالہ دور امارت میں کوئی کام کی بات ہی نہیں فرمائی اور کوئی کارآمد کام ہی نہیں کیا حالانکہ ان کے زمانے میں کام خوب پروان چڑھا اور ان کا وجود کام کے حق میں اور کام کرنے والوں کے حق میں اتنا

بابرکت تھا کہ ان کے جاتے ہی قلوب میں کمزوری اور ساتھیوں میں انتشار کا بڑھنا اور کام والوں کے حوصلہ میں کمی کا پایا جانا روز افزوں ہے اور جس کے تدارک کی کوئی بھی شکل نظر نہیں آرہی ہے۔

دنیا بھر کے عمائدین مبلغین کی جانب سے اس مضمون کے بلا مبالغہ درجنوں خطوط راقم سطور نے خود پڑھے ہیں اور ان میں سے متعدد محفوظ بھی کر رکھے ہیں۔

اسی زمانہ کا ایک واقعہ ہے کہ برسہا برس سے مرکز دہلی میں مقیم ایک داعی ومبلغ سے کاتب سطور نے بڑے تأسف کے ساتھ یہ کہا کہ کبھی تو آپ اپنی تقریر میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کا نام لے دیا کریں یا ان کا کوئی واقعہ سنا دیا کریں۔

میری اس درخواست پر انہوں نے معذرت آمیز لیکن رنجیدہ لہجہ میں یہ جواب دیا تھا کہ مہینہ دو مہینہ میں ایک مرتبہ تقریر کا نمبر آجاتا ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔

یہ جواب سن کر بندہ کو ان کی معذرت قبول کئے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ وہ واقعہ اور حقیقت کے مطابق تھی۔

لیکن یہ بھی خدائے پاک کی شان اور ان کا غیبی نظام ہے کہ حضرت جی ثالث کے زمانے کے علماء ومشائخ اور اہل قلوب سب اس حقیقت کے اعتراف پر متفق اللسان رہے کہ دعوت وتبلیغ کے کام میں وسعت وآفاقیت دیتے ہوئے اپنے پیش رو اکابر کے قائم کردہ اصول اور نقوش پر حضرت موصوف مرحوم نے پورے پورے طور پر عمل کیا چنانچہ اس سلسلہ کی بڑی مضبوط شہادت یہ ہے کہ آپ کے دور امارت کے آغاز میں جب ایک علاقہ کے لوگوں نے حب علی میں نہیں بلکہ بغض معاویہ میں آپ کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے برے اثرات مرکز کی چہار دیواری تک آنے لگے تب آپ نے مخزن انوار ربانیہ اور سرحلقہ عشاق محمدیہ مخدومنا حضرت شیخ'' سے اجازت چاہی کہ مرکز نظام الدین چھوڑ کر مدینہ منورہ ہجرت کر جائیں اور وہاں حضرت مولانا سعید احمد خاں کی معیت ورفاقت میں دعوتی کام کریں۔

اس پر حضرت شیخؒ نے بڑے منکسرانہ لیکن مضبوط لب ولہجہ میں فرمایا کہ!

''مولوی انعام ہرگز ایسا مت کرنا میں خوب جانتا ہوں کہ اس وقت مرکز میں کوئی ایسا نہیں جس میں اس کام کو سنبھالنے کی اہلیت اور صلاحیت ہو۔''

لیکن خواہشات کی غلامی کرنے والوں پر آج تک یہ حقیقت نہیں کھلی اور نہ کھل سکتی ہے کہ اپنے خلوص واخلاص کی بنیاد پر دین ومذہب پر مرمٹنے والوں کے نام اور کام کی حفاظت خود حضرت حق جل مجدہ کی بے نیاز ذات کرتی چلی آرہی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ان کے سفینہ کی حفاظت کرتے ہوئے سمندری طوفانوں کو حکم دے دیتی ہے کہ وہ اس سفینہ کو اپنی حفاظت میں لے کر کنارہ تک پہنچادیں۔

حفاظت جس سفینہ کی انہیں منظور ہوتی ہے
کنارہ پر اسے خود لا کے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں

چنانچہ عالمی شوریٰ کی شکل میں یہاں بھی یہی ہوا کہ سفینہ کنارہ پر لگ گیا، ساحل سامنے نظر آنے لگا۔ شخصی نظام کے مقابلہ میں اجتماعی نظام اپنا وجود منوانے لگا اور حضرت مولانا انعام الحسن کی شخصیت کا جادو سر چڑھ کر بولنے لگا۔

بہرحال عنوان تھا فتنوں کی برسات کا چنانچہ مولانا زبیر الحسن مرحوم کے بیس سالہ دور حیات میں ایسے چھوٹے بڑے سینکڑوں فتن وحوادث پیش آئے جس میں ان کے امتحانات لئے گئے اور صبر واستقامت نے بلا اختیار ان کے پاؤں چوم لئے۔

لیکن ان میں چند ایسے بھی تھے جن کا ان پر بطور خاص کئی کئی ہفتے اور کئی کئی ماہ اثر رہا لیکن وہ صرف یہ سوچ کر صبر کا گھونٹ پی کر رہ گئے کہ مرکز اور مرکزی کام کی اجتماعیت اور دعوت کی آبرو خواہ وہ کیسی بھی مضمحل اور کمزور ہو قائم اور باقی رہنی چاہئے۔

جلوت وخلوت اور ظاہر وباطن کے ایک ایک رتی وماشہ اور ایک ایک ذرہ پر اپنی بے پناہ گرفت رکھنے والی ذات عالی کو جو اس کائنات کے مالک وخالق ہیں اور جن کی شان

ھو الظاھر والباطن اور **یعلم مافی الصدور** ہے کو گواہ بنا کر ان سطور کا کاتب یہاں یہ لکھتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی ذات کے لئے تو ایک مرتبہ بھی نہیں لیکن اس دعوتی عمل کے لئے تنہائیوں میں بارہا ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے دیکھا ہے اور جب میں ان کو تسلی وتشفی کے کلمات کہتا تو وہ یہ جواب دیا کرتے تھے کہ!

شاہد! میری جان سخت ضیق میں ہے اگر کچھ بولتا ہوں تو فتنہ ہوتا ہے اور اگر خاموش رہتا ہوں تو اس کام کا نقصان ہوتا ہے۔ جس کی ذمہ داری مجھ پر ڈالی گئی ہے۔

آپ کے صبر وتحمل کا ایک قدیم داعی کی طرف سے اعتراف

دعوت وتبلیغ میں ایک قدیم عرصہ سے اپنی جان، مال اور وقت لگانے والے سعودی عرب میں مقیم ایک صاحب نے اپنا یہ واقعہ خود راقم سطور کو سنایا کہ!

''ایک زمانہ میں مجھ پر بڑے سخت حالات آئے، یہاں تک کہ میرے احباب بھی مجھ سے یکسو ہو گئے۔ جس کے نتیجہ میں اس دعوتی کام سے بھی لگاؤ اور تعلق بڑی حد تک کم ہو گیا۔

اسی دوران میرے دل میں یہ بات آئی کہ مکی حرم محترم میں جا کر خوب دعا کروں اور خوب روؤں۔ چنانچہ کعبۃ اللہ کا پردہ پکڑ کر میں نے دعائیں کیں۔ اس وقت میرے دل میں بڑی شدت سے یہ خیال آیا کہ نظام الدین مرکز پہنچ کر مولانا زبیر مرحوم کے سامنے اپنے تمام احوال رکھ کر ان سے مشورہ لوں۔ چنانچہ میں نے فون پر مولانا سے رابطہ کر کے دہلی آنے کی اجازت چاہی۔ مولانا مرحوم نے بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ مجھے دہلی بلا لیا۔ میں پہنچا اور تخلیہ میں اپنے تمام احوال، الجھنیں، پریشانیاں اور اپنے احباب کی اپنے سے دوریاں اور ان کی ذات سے پہنچنے والی تکلیفیں تفصیل کے ساتھ سنائیں۔

مولانا گردن جھکائے بہت غور سے میری معروضات سنتے رہے اور پھر اس کے بعد ایک ٹھنڈا سانس بھر کر فرمایا کہ اپنی سناؤ اب ہماری بھی سنو!

اور پھر بڑے تاثر کے ساتھ حضرت جی ثالث کی وفات سے اس وقت تک پیش آنے والی تکالیف، مخالفتیں اور اپنے چھوٹوں کے عناد و حسد کے واقعات ایسے درد بھرے انداز سے سنائے کہ مجھے بھی رونا آ گیا۔ وہ خود بھی رو رہے تھے جب مولانا مرحوم خاموش ہوئے تو میں نے بڑے ادب کے ساتھ ان سے یہ کہہ کر معافی مانگی کہ مولانا! آپ کی تکالیف اور ان پر صبر و تحمل کے مقابلہ میں تو میری تکلیفیں اور مخالفتیں ایسی ہیں جیسے پہاڑ کے سامنے کوئی ذرہ۔ اور اصل مجاہدہ تو واقعی آپ کا ہے۔

یہ کہہ کر میں دوبارہ معذرت کر کے ان کی مجلس سے اٹھ کر چلا آیا۔

اسی طرح اپنا ایک واقعہ جناب حافظ مجاہد الاسلام کانپوری اس طرح بیان کرتے ہیں!

"میری نظام الدین بار بار حاضری ہوتی رہی ہے ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ! آپ سے اور حضرت جی مولانا انعام الحسن سے محبت و عقیدت کی وجہ سے نئی نئی باتوں سے طبیعت پر بہت بوجھ ہوتا ہے، بتلایئے کیا کروں؟

اس پر فرمایا کہ خاموش رہو اور دعا کرتے رہو۔ اسی طرح ایک مرتبہ پرانوں کے جوڑ میں حاضر ہونے پر دعا کے لئے عرض کیا تو فرمایا کہ تم تو اپنی باتیں آ کر ہم سے کہہ دیتے ہو ہمارے بڑے تو قبروں میں چلے گئے، اب ہم کس سے کہیں؟ ہمارا تو بس اللہ ہی ہے، یہ کہہ کر خوب روئے اور میرے ساتھی بھی سسکیوں سے رونے لگے۔"

راقم سطور کی طرح نامعلوم کتنے اہل قلوب اور خواص کا وجدان یہ ہے کہ اس بے پناہ صبر و استقامت کی وجہ سے ہی ان پر بارگاہ الٰہیہ سے بڑی سُرعت اور وسعت کے

ساتھ رحمتوں و برکتوں کا نزول اور دربار نبویہ سے مبشرات اور بشارتوں کا ورود شروع ہو گیا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ مولانا مرحوم کو خواب میں کثرت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی زیارتیں ہوتیں اور دیگر ذرائع سے پیغامات ملتے اور جن کو وہ یادداشت کے طور پر اپنی ڈائری میں لکھتے رہا کرتے تھے۔ ان میں ایک پیغام تو ایسا تھا کہ جس شخص کے دل میں ایمان کی ذرا سی بھی رمق اور حب نبوی ﷺ کی تھوڑی سی بھی چنگاری ہو تو اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل جائے۔

اب یہاں چند ایسے ہی فتن و حوادث کا تذکرہ اس یقین کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ تاریخ مستقبل میں ان پر اپنا منصفانہ فیصلہ ضرور صادر کر کے رہے گی، کیونکہ اس کے بے رحم ہاتھوں سے نہ کوئی بڑا بچ سکا ہے نہ کوئی چھوٹا اور نہ کوئی حاکم اور نہ محکوم۔ اور آج اُن کے تاریخ نگار واقعات و حقائق سے ہٹ کر خواہ کتنی ہی تاریخ سازی کر لیں لیکن وقت اور زمانہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ کر دے گا۔

(۱) یہ حبّ علی نہیں بلکہ بغضِ معاویہ تھا۔

حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کے سانحہ وفات کے صرف دو یوم بعد سب سے پہلا جوڑ ہریانہ پنجاب اور ہماچل پردیش کے کارکنان دعوت و تبلیغ کا مرکز نظام الدین دہلی میں ۱۲/۱۳/۱۴ محرم/ ۱۲/۱۳/۱۴ جون میں منعقد ہوا تھا اور اس کے دو یوم بعد ۱۷/۱۸/ ۱۹ محرم/ ۱۷/۱۸/۱۹ جون میں ہندوستان کے قدماء اور اصحاب دعوت و تبلیغ مرکز نظام الدین میں جمع ہوئے۔ نیز ۲۸ محرم/ ۲۸ جون میں میرٹھ کا اجتماع بھی ذہنی انتشار و خلفشار کے ساتھ جیسے تیسے کر کے پورا ہو گیا۔

گرم اور تند تیز ہوائیں تو اسی وقت سے چلنی شروع ہو گئی تھیں لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا گیا اس کی شدت اور حدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

راقم سطور چونکہ ان احوال کا مشاہدہ بہت قریب سے کر رہا تھا اور فارسی کی ایک کہاوت نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد کا بھی اندازہ تھا۔ اس لئے بہت پھونک پھونک کر قدم

اظہار رہا تھا۔ چنانچہ احتیاطی تدبیر کے طور پر میرٹھ کے اس اجتماع میں ایک عامی کی حیثیت سے سہارنپور سے شریک ہوکر سہارنپور ہی واپس ہوگیا تھا۔

لیکن جب ۲ر صفر/۲ر جولائی شنبہ میں میوات کا سفر ہوا تو سالہا سال کے معمول کے مطابق یہ احقر بھی مولانا زبیر الحسن کی معیت میں نظام الدین مرکز سے روانہ ہوا اور اسی وقت دوسری گاڑی سے حضرت مولانا محمد عمر پالن پوری بھی اسی سفر پر روانہ ہوئے۔

اور یہ شخصیت وہ تھی جن کا حضرت جی ثالثؒ لسان الدعوۃ والتبلیغ کہہ کر عربوں سے تعارف کرایا کرتے تھے۔ اور جن کا تعین حضرت شیخؒ نے کئی ہفتوں کے استخاروں اور دعاؤں کے بعد مرکز کے لئے کیا تھا۔ ابھی گاڑی تھانہ نظام الدین کے گیٹ پر ہی پہنچی تھی کہ صاحبزادہ صاحب کا غصہ اور غیض وغضب ساتویں آسمان پر پہنچ گیا اور علی الاعلان گاڑی سے اتر کر راقم سطور پر خوب سب وشتم کرنے لگے۔

بندہ کو حالات اور ان کی دماغی کیفیت کو دیکھتے ہوئے اسی میں بہتر ائی اور خیر نظر آئی کہ خاموشی کے ساتھ خود بھی اتر جاؤں اور گاڑی سے اپنا سامان بھی اتار لوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی توفیق اور ان کے دیئے ہوئے صبر وحوصلہ کے ساتھ راقم سطور نے اپنا سفر ملتوی کر دیا اور سامان اتار لیا۔

مولانا زبیر مرحوم کو چونکہ اپنی ہی عزت بچانی مشکل ہو رہی تھی اور وہ حالات کے دباؤ اور ماحول کے جبر کا شکار تھے اس لئے وہ اس وقت بالکل صابر وساکت رہے۔ اس وقت شدت تاثر سے وہ بھی اپنا سفر ملتوی کرنا چاہتے تھے لیکن میری گذارش پر وہ میوات روانہ ہوگئے۔

مجھ سے نمٹ کر صاحبزادہ سلمہ حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری پر برسے ان پر غصہ اس لئے تھا کہ ان کے لئے میرٹھ کے احباب (حافظ محمد ہارون، حافظ سراج اور بھائی امیر الدین اور حاجی رئیس الدین صاحبان) خصوصی طور پر اپنی گاڑی کیوں لے کر آئے۔

اس موقع پر حافظ ہارون صاحب کا جواب یہ تھا کہ ہم لوگ حضرت جیؒ کے زمانے

سے سالہا سال سے اپنی گاڑی لے کر آرہے ہیں اور میوات نیز قرب وجوار کے اسفار حضرت جی اور مولانا محمد عمر کے ہماری گاڑیوں سے ہوتے رہے ہیں لیکن ان کے اس جواب کی کوئی سنوائی نہیں ہوئی۔(۱)

اس ڈانٹ ڈپٹ کے بعد مولانا پالنپوری بھی خاموشی سے گاڑی سے اتر کر اپنے دوخدام کے کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر تمام اعذار وامراض کے باوجود اس وقت تک سڑک پر کھڑے رہے جب تک کہ ان کے رفقاء ٹیکسی اسٹینڈ سے دوسری گاڑی لے کر نہیں آگئے اور پھر مولانا مرحوم بھی بہت خاموشی اور مجسمہ صبر ورضا بن کر ایک بڑے مجمع کی موجودگی میں دوسری گاڑی (ٹیکسی) میں میوات کے لئے روانہ ہوگئے۔

حزن وقلق سے بھرپور یہی وہ لیل ونہار تھے جن میں مولانا مرحوم نے اپنے درد وتاثر کا اظہار کرتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اپنے ایک خط میں یہ الفاظ تحریر کئے تھے!

"حضرت والد صاحب کے انتقال کے بعد سے ہر وقت فکر اور غم سوار رہتا ہے پھر ۱۹ر مارچ سے کولمبو، سنگاپور، انڈونیشیا، آسٹریلیا، تھائی لینڈ ان ممالک کا تقریباً ایک ماہ کا دورہ ہے۔ بہت ہی لجاجت سے ہر آن ہر گھڑی دعاؤں اور توجہات کا محتاج ہوں امید ہے خوب دعاؤں میں یاد فرمائیں گے۔

۲۲ر رمضان سے ہمشیرہ بھی سہارنپور سے آئی ہوئی ہیں۔ حضرت والد صاحب کے حادثہ کا اثر اس پر بہت ہے۔ وہ بھی سلام مسنون اور دعا کی درخواست کرتی ہیں۔(۲)

---

(۱) حضرت مولانا انعام الحسنؒ کی ڈائری سے پتہ چلتا ہے کہ میرٹھ کے ان احباب کا اس مقصد کے لئے مرکز آمد ورفت آنے کا سلسلہ ۱۹۷۱ء میں شروع ہوا تھا۔

(۲) مکتوب محررہ ۲ر شوال ۱۴۱۶ھ/۲۲ر فروری ۱۹۹۶ء۔ بحوالہ تذکرہ مولانا محمد زبیر الحسن، مرتب مولانا محمود حسنی ندوی

اس نوع کے واقعات اس زمانہ میں بڑی کثرت کے ساتھ ہو رہے تھے۔

یہاں تک کہ ایک سال بیت کر ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء کا سورج طلوع ہوگیا۔

ابھی اس نئے سورج کو طلوع ہوئے ایک ہی ماہ گذرا تھا کہ ۴ر صفر ۱۴۱۷ھ/ ۲۱ر جون ۱۹۹۶ء کی تاریخ اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ سامنے آگئی اور پھر تقریباً ایک ہفتہ تک ایسے ایسے واقعات مرکز کی چہار دیواری میں پیش آئے جس نے دعوت وتبلیغ کے مستقبل اور خود مرکز کی مرکزیت پر سوالیہ نشان لگا دیا۔

اس گردشِ لیل ونہار کی تفصیلات راقم سطور کے روزنامچہ میں پورے صفحہ پر محیط ہیں اور اب وقت آگیا ہے کہ ان کو بڑی احتیاط اور قدرے اختصار کے ساتھ عوام کی عدالت میں پیش کر دوں۔

ان حالات اور واقعات کے تمام کردار باوجود اس کے کہ دنیا سے پردہ کر چکے اور ان کا اعمال نامہ اللہ جل شانہ کے حضور پیش ہو چکا ہے۔ لیکن مختلف نزاکتوں کے پیش نظر اس کتاب میں ان کے ناموں پر پردہ ڈالا جا رہا ہے۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ ان سب کی اور ہم سب کی پردہ پوشی فرمائے۔ آمین

اب روزنامچہ کی تلخیص پڑھئے۔

(۴ر صفر ۱۴۱۷ھ/ ۲۱ر جون ۱۹۹۶ء جمعہ) میوات سے اطلاعات آرہی تھیں کہ مولوی ...... اور مولوی .... وہاں انتشار پھیلا رہے ہیں اور وہاں والوں کو مرکز آنے اور اپنے مطالبات قوت کے ساتھ پیش کرنے کی ترغیب دے رہے ہیں۔ مطالبات میں ایک اہم مطالبہ یہ بھی ہے کہ صبح گیارہ بجے والی دعا دونوں صاحبان کرایا کریں۔ ایک دن وہ اور ایک دن یہ۔ (۱)

(۱) یہ تو خیر سے خدام بارگاہ کی کوشش وجدوجہد تھی جب کہ صاحبزادہ سلمہ خود ہی بنفس نفیس اس سے قبل رائیونڈ کے اجتماع میں وہاں کی شوریٰ کے سامنے بڑی قوت کے ساتھ ان الفاظ سے یہ مسئلہ پیش کر چکے تھے کہ!

دو تین دن قبل اسی موضوع پر .... کے یہاں پنچایت بھی رکھی گئی تھی اور اس میں بھی شدت پسندی تھی۔ مولانا زبیر مرحوم کی طرف سے یہ تمام اطلاعات اور وہاں سے آنے والے لوگوں کو .... کے پاس بھیجا جاتا رہا کہ وہ اس فتنہ کو روکیں۔ مگر انہوں نے خاموشی کو مصلحت سمجھا۔

جمعہ ۴ر صفر/ ۲۱ر جون میں وہاں کے لوگوں کی آمد شروع ہوئی اور رات تک تقریباً ایک جم غفیر بستی کی ایک مسجد میں جمع ہوگیا۔ بعد عصر وہاں دو اہل علم کی بڑی ناصحانہ تقریر ہوئی۔ جس میں ان آنے والوں .... کو مختلف طریقوں سے سمجھایا گیا لیکن ان کے جذبات ٹھنڈے نہیں ہوئے۔

ان آنے والوں میں سے جب کچھ لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا تو مولوی ...... ان کو یہ کہہ کر روکتے رہے کہ کل بارہ بجے کی دعا سے پہلے ہرگز نہ جائیں۔

بعد مغرب جمعہ کے دن مقامی پولس حرکت میں آئی اور بستی کے چند حضرات کے ذریعہ انہوں نے مولانا .... سے کہلوایا کہ ہمارے پاس مختلف جگہوں سے مسلسل اطلاعات آرہی ہیں کہ غلط عناصر جمع ہو رہے ہیں اور یہ مولوی .... کون ہے؟ ہم اس سے مل کر تحقیق کرنا چاہتے ہیں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) چونکہ مولوی زبیر روزانہ جماعتوں کی رخصتی اور دعا کراتے ہیں اس لئے لوگ ان ہی کو حضرت جی سمجھتے ہیں، اس لئے ایک دن وہ دعا کرایا کریں اور ایک دن میں خود کراؤنگا۔

صاحبزادہ موصوف برابر اس پر اصرار کرتے رہے لیکن وہاں کے اصحاب شوریٰ نے اس درخواست کو شرف قبولیت نہیں بخشا۔

اُس زمانہ میں صاحبزادہ صاحب اپنے تمام معاملات ومسائل کے حل کے لئے "رائیونڈ" ہی کو اپنا قبلہ وکعبہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ مکان کی تقسیم، بڑے اجتماعات میں مصافحے، باہر کے حجرے کا حصول جیسے معاملات انہوں نے وہاں بڑے اہتمام سے خود بھی پیش کئے اور اپنے عملہ سے بھی پیش کرائے ـــــ مگر اب تو

یہ باتیں ہیں جب کی کہ آتش جواں تھا

اسی موقعہ پر مولوی ..... نے مولوی زبیر مرحوم سے حافظ ..... کے ذریعہ کہلوایا کہ ان آنے والوں سے کیا کہا جائے اور کس طرح کی بات کی جائے؟ مولانا زبیر مرحوم نے جواباً کہلوایا کہ اب سے تین چار ماہ قبل بھی اسی طرح مولوی ..... لوگوں کو اکٹھا کر کے لائے تھے اس وقت میں نے آپ سے اپنی فکرمندی کا اظہار کرتے ہوئے بات کی تھی لیکن آپ نے کچھ نہیں کیا۔ اب میں کیا بتلاؤں، جو چاہے جس طرح چاہے ان سے بات کریں۔

اگلے دن (شنبہ ۵ر صفر میں) یہ آنے والے اصحاب بڑی تعداد میں مشورہ میں پہنچ گئے مولانا زبیر مرحوم اس دن فتنہ کے ڈر سے مشورہ میں نہیں گئے۔ مشورہ میں ان آنے والوں کا مطالبہ یہ تھا کہ جماعتوں کی رخصتی اور دعا کا نظام بدلا جائے۔ مشورہ میں موجود میاں جی محراب صاحب نے تین مرتبہ یہ وضاحت کی کہ عالمی شوریٰ کے مشورہ کے مطابق صبح کی دعا مولوی زبیر ہی کی طے ہے۔ پروفیسر نادر علی خاں صاحب نے بھی اس سلسلہ میں کچھ بات کرنا چاہی تو ان کو مولانا ..... نے روک دیا۔ اس دن جماعتوں کی رخصتی کی ہدایات اور دعا بھی مولانا زبیر مرحوم خلفشار اور انتشار کی وجہ سے نہیں کرا سکے اور یہ دونوں کام میاں جی محراب صاحب نے کئے۔

اسی شنبہ کی صبح میں صاحبزادہ صاحب مولانا مرحوم کے پاس کوئی خط لے کر آئے تو ان کو دیکھ کر مرحوم کا ضبط و تحمل جواب دے گیا اور ان پر بہت شدت سے گریہ طاری ہوا اور جو تقریباً دو گھنٹہ تک ایسی شدید ہچکیوں کے ساتھ رہا کہ ان کا تمام چہرہ سرخ ہو گیا۔ عزیز مولوی محمد جعفر سلمہ ابن حضرت مولانا محمد عاقل زید مجدہ بھی اس وقت ہمارے درمیان موجود تھے۔ آں عزیز نے بلند آواز میں مجھ سے کہا کہ بھائی زبیر کو تم خاموش کرو۔

راقم سطور نے صاحبزادہ صاحب کی موجودگی میں برجستہ جواب دیا کہ مولوی جعفر! تم ان کو آج خوب اچھی طرح رونے دو۔ اس لئے کہ ان کے والد مرحوم بھی تہجد میں ہچکیوں کے ساتھ روتے تھے۔ جس کی برکت سے مرکز اور اس میں ہونے والے کام کی عزت اور آبرو محفوظ تھی اب وہ نہیں رہے تو ان (مولوی زبیر) کو رونا پڑے گا اور اگر یہ رونا موقوف کر دیں گے تو دنیا بھر کے اہل باطل مرکز پر غالب آجائیں گے۔

بہت دیر بعد جب مولانا مرحوم کو کچھ سکون ہوا تو یہ احقر بڑی مشکل سے ان کو اوپر کھانے پر لے گیا لیکن وہ دسترخوان پر بھی روتے رہے۔ کھانا نہیں کھا سکے۔ گریہ و بکا کا یہ منظر کو دیکھ کر شرکاء دسترخوان پر سخت تاثر ہوتا رہا اور متعدد لوگوں کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

اسی شنبہ میں بعد عصر مولانا ..... نے مولوی زبیر مرحوم سے اجتماع میوات میں جانے کی بات رکھی تو انہوں نے بڑی صفائی کے ساتھ معذرت کر دی۔

اتوار ۶ر صفر کی صبح کے مشورہ میں مولانا مرحوم نے شرکت تو کی لیکن وہاں بھی ان پر گریہ ہی طاری رہا اور اسی شدت گریہ میں ان کی زبان پر یہ جملے جاری ہو گئے کہ!

"تیرہ ماہ سے والد صاحب کے انتقال کے بعد سے جو کچھ میرے ساتھ ہو رہا ہے اب وہ برداشت سے باہر ہے۔ مولانا ..... اس طرف کیوں توجہ نہیں دیتے۔"

اسی اتوار میں بعد عصر اجتماع گاہ سے پندرہ بیس میواتی اصحاب آئے اور بہت دیر تک مولانا مرحوم کو اپنے اجتماع میں لے جانے پر اصرار کرتے رہے اور اسی دن بعد عشاء چھائسہ والے بھی آئے اور اپنے یہاں چلنے پر اصرار کیا مگر

مرحوم نے ان کو بھی انکار کر دیا۔

اس انتہائی سنگین صورت حال کے چوتھے روز صبح کے مشورہ میں مولانا ..... نے مولوی زبیر مرحوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ تین چار یوم قبل تو ایک گروپ کے لوگ آئے تھے اب سنا ہے کہ دوسرا گروپ بھی یہاں آنے کی تیاری کر رہا ہے۔

اس طنزیہ جملہ کی کڑواہٹ مولانا مرحوم برداشت نہیں کر سکے اور فوراً اپنی کمر تکیہ سے ہٹاتے ہوئے آگے کو بڑھ کر جواب دیا کہ!

''جی نہیں! آپ بالکل بے فکر رہیں یہاں ایک ہی گروپ آتا رہے گا۔ دوسرا بالکل نہیں آئے گا۔''

یہ مولانا مرحوم کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایسا صداقت آفریں جملہ تھا کہ اللہ جل شانہ نے بھی اس کی لاج رکھی کہ ہمیشہ ایک ہی گروپ سامنے آتا رہا اور اسی کے ذریعہ حق اور باطل میں واضح خط اور کھلا ہوا فرق پوری دنیا میں قائم ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ آج اکیس سال بعد حضرت حق جل مجدہ کی مشیت کاملہ اور قدرت تامہ نے ان باپ بیٹوں کے رونے کی برکت سے ساری دنیا میں حق اور ناحق کے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی۔

اس لرزہ خیز سانحہ کی تاریخ ہرگز مکمل نہیں ہوگی اگر اس کے ساتھ ذیل کا یہ تتمہ اور تکملہ نہ پڑھ لیا جائے کہ اس واقعہ کے بعد دہلی کی ایک نیم دینی اور نیم سیاسی طاقتور شخصیت نے مولانا مرحوم کو پیغام بھیجا کہ چند یوم قبل مرکز میں جو احوال آپ کے ساتھ پیش آئے میں ان سے انتہائی رنجیدہ خاطر ہوں اور عوام وخواص کی ایک اچھی تعداد لے کر آپ سے مرکز میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔

چونکہ مولانا مرحوم پر اس وقت بھی شدید تاثر اور حزن وغم کی کیفیات طاری

تھیں اس لئے انہوں نے خود جواب دینے کے بجائے زنانہ مکان سے راقم سطور کو یہ کہہ کر بلا لیا کہ ایک صاحب ایک اہم پیغام لے کر آئے ہیں تم ان سے ملاقات کر کے جو چاہے جواب دے دو۔

راقم سطور نے محض اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی توفیق اور ان کے عطا فرمائے ہوئے عزم اور حوصلے سے ان صاحب کی بات سن کر کھڑے کھڑے یہ جواب دیا کہ ہم دونوں کی طرف سے ان کو سلام کہئے اور اس محبت وتعلق کا شکریہ ادا کر کے کہہ دیجئے کہ فی الحال اس قسم کے تعاون کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بھی حفاظت فرمائے اور ہماری بھی حفاظت فرمائے۔

اس جہاد اعظم سے فارغ ہونے کے تقریباً دو ہفتہ بعد عقل وخرد رکھنے والے کچھ تجزیہ نگاروں کی ایک مجلس دہلی میں منعقد ہوئی۔ جس میں اس ہنگامہ کے ذریعہ ''کیا کھویا اور کیا پایا'' کے عنوان سے غور وفکر ہوا۔

شرکاء مجلس میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے خیالات واحساسات پیش کئے۔ راقم سطور سے جب سوال کیا گیا تو عرض کیا کہ اس سارے قضیہ میں بندہ کے نزدیک مولانا زبیر کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ انہوں نے اپنا کوئی گروپ بننے نہیں دیا اور دوسرے کے گروپ سے وہ ذرہ برابر مرعوب نہیں ہوئے اور اپنی خاموشی سے انہوں نے مرکز کی بے بسی اور بے کسی نیز مستقبل کے عزائم اور خطرات حاضرین مجلس پر آشکارہ کر دیئے۔(۱)

(۲) ایک عالمی شوری کی تشکیل

جن خوش قسمت حضرات کو حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کا قرب حاصل رہا

(۱) یہ تو اس جہاد اعظم کا تذکرہ تھا جو صفر ۱۴۱۷ھ/ جون ۱۹۹۶ء میں وقوع پذیر ہوا تھا لیکن رمضان المبارک ۱۴۲۷ھ میں پیش آنے والے سانحہ کا اگر عقل وخرد رکھنے والے آج بھی تجزیہ کریں گے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ سب کچھ کھو دیا اور کچھ نہیں پایا۔

اور سفر و حضر میں آپ کی معیت شامل رہی، وہ سب اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مرحوم اس دعوتی محنت کے مستقبل سے کس قدر متفکر رہتے اور اس کے لئے خود بھی تدابیر سوچتے اور سطح اول کے اپنے معتمد اور مخلص رفقاء تبلیغ کو بھی اس پر بار بار متوجہ فرماتے تھے۔ وہ اس خطرے سے شدید خائف رہتے تھے کہ عالمی محنت کا یہ کام مستقبل میں کہیں اپنی افادیت و نافعیت نہ کھو بیٹھے اور اس کی اجتماعیت کو کسی کی نظر بد لگ کر یہ اپنے حال اور ماضی سے کٹ کر کسی دوسرے رخ پر نہ چلا جائے۔ اپنی عمومی اور خصوصی مجلسوں میں بار بار مختلف انداز اور الفاظ میں آپ اس پر متوجہ فرماتے رہتے تھے۔

آپ نے اس نوع کے خطرات سے نمٹنے اور مستقبل میں دعوتی کام کے نہج اور منہج کو محفوظ رکھنے کے لئے اس کے چاروں طرف متعدد حفاظتی حصار قائم کئے۔ چنانچہ تمام اقلیموں اور براعظموں کے بے شمار طویل طویل سفر، ہندوستان بھر میں پورے سال چھوٹے بڑے شہروں میں مسلسل آمد و رفت اور اپنے اعذار و ضعف طبیعت کے باوجود ان میں کئے جانے والے لمبے لمبے بیانات، ہر سال پاکستان، بنگلہ دیش اور بھوپال کے تبلیغی اجتماعات میں شرکت کا اہتمام اور ان میں دنیا بھر کے ممالک میں دعوت و تبلیغ کے تعلق سے پیش آنے والی مشکلات کا حل نیز حرمین شریفین اور ممالک عربیہ کے دعوتی احباب و اصحاب سے رابطے افریقہ، امریکہ اور یورپی ممالک میں کام کرنے والے احباب کو سال بہ سال ہزاروں کی تعداد میں نظام الدین مرکز بلا کر ان کو دعوتی مزاج کی یکجہتی اور اصحاب دعوت کو وحدت کلمہ اور ذہنی و فکری ہم آہنگی پر بڑی فکر و کڑھن کے ساتھ متوجہ کرنا اور دعوت کی محنت کے ساتھ دعا کا اہتمام اور دین کی عمومی محنت کے ساتھ ساتھ رات میں تضرع و عاجزی اور رجوع الی اللہ کے ذریعہ خصوصی محنت یہ تمام امور مستقبل میں کام کے تحفظ اور بقاء کے لئے بڑے قابل قدر نمونے اور آپ کے ۳۲ رسالہ دور امارت کے نہ مٹنے والے نقوش ہیں۔

ان ہی قابل قدر نمونوں اور تابندہ نقوش میں حضرات خلفائے راشدین کے طرز

پر آپ کی وہ گراں قدر حکمت عملی بھی ہے جس کو آج ساری دنیا "عالمی شوریٰ" کے نام سے جانتی اور پہچانتی ہے۔

حضرت جی ثالثؒ نے اپنے آخری زمانہ حیات میں ایک عالمی شوریٰ قائم فرمائی۔ جو ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش تین ملکوں کے دس قدیم ذمہ دار اصحاب پر مشتمل تھی۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے فرزند ارجمند مولانا زبیر الحسن مرحوم کو اپنا نائب قائم مقام اور اپنے بعد امیر جماعت تبلیغ منتخب کر سکتے تھے لیکن قرآن و حدیث، مصادر شریعت، سیرت نبوی اور دور صحابہ کے بھرپور اور گہرے مطالعہ نے ایک عالمی شورائی نظام قائم کرنے پر ان کی رہنمائی فرمائی۔

حضرت جی ثالث کی وفات کے بعد اسی شوریٰ نے نظام الدین مرکز کے لئے مولانا اظہار الحسن کاندھلوی، مولانا محمد عمر پالنپوری، جناب میانجی محراب میوات، مولانا زبیر الحسن اور مولوی محمد سعد پر مشتمل ایک پانچ رکنی شوریٰ متعین کرتے ہوئے طے کیا کہ یہ پانچوں حضرات حروف تہجی کے اعتبار سے فیصل بن کر مرکز نظام الدین کے تمام امور طے کرتے رہیں گے۔

مقدرات الٰہیہ سے دو سال کے مختصر عرصہ میں تین اراکین شوریٰ کے وفات پا جانے پر کام کرنے والے پرانے احباب کی جانب سے ان خالی جگہوں کو پُر کرنے کا مطالبہ سامنے آنے لگا۔ مولانا زبیر مرحوم کی بھی خواہش تھی کہ اتفاق رائے سے ان حضرات کی جگہ پر دوسرے حضرات کو لے لیا جائے مگر مستقبل کے عزائم اور منصوبہ بندیوں کو سامنے رکھتے ہوئے دیگر بہت سے معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی ان کی مخالفت کی گئی اور یہ کام نہیں ہونے دیا گیا۔

وفات سے چند ماہ قبل حضرت مولانا محمد ابراہیم (دیولہ) جیسے قدیم اور مخلص داعی و مبلغ نے خاص طور پر مولانا مرحوم کو شوریٰ کے ارکان میں اضافہ پر متوجہ کیا۔ جس کا اظہار مولانا ابراہیم موصوف نے اپنی تحریر میں اس طرح کیا ہے!

"بعض اہم مسائل کے پیش آنے پر میں نے متعدد بار حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کی بنائی ہوئی شوریٰ میں عالمی سطح پر کچھ افراد بڑھانے کی بات رکھی تھی اور یہ درخواست پیش کی تھی کہ پیش آمدہ مسائل کا حل اسی میں ہے آخری عمر میں حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب اس کے لئے تیار بھی ہو گئے تھے لیکن اچانک ان کے وصال کا وقت آ گیا۔ غفر اللّٰہ لہ و ادخلہ الجنۃ"

صورت حال کی نزاکتیں اور دشواریاں اسی کشمکش میں بڑھتی رہیں اور خطرات کی سرخ لکیریں پار کرتی رہیں اور جب پانی سر سے اونچا ہو گیا اور خطرات، واقعات بن کر سامنے آنے لگے تب نومبر ۲۰۱۵ء/محرم ۱۴۳۷ھ میں رائیونڈ (پاکستان) میں ہونے والے سالانہ اجتماع کے موقعہ پر مختلف ممالک بشمول ہندوستان بڑی تعداد میں احباب نے ایک آواز ہو کر اس شوریٰ کی تکمیل پر اصرار کیا۔

چنانچہ دو تین یوم کی جدوجہد اور باہمی مشوروں کے بعد مرکز نظام الدین کے لئے پانچ حضرات باضابطہ طور پر متعین کئے گئے جن کے اسماء یہ ہیں!

(۱) مولانا محمد یعقوب سہارنپوری، مقیم بستی نظام الدین دہلی

(۲) مولانا ابراہیم دیولہ، مقیم بستی نظام الدین دہلی

(۳) مولانا احمد لاٹ گجرات، مقیم حضرت نظام الدین دہلی

(۴) مولوی محمد سعد سلمہ، مقیم مرکز دہلی

(۵) مولوی محمد زبیر الحسن سلمہ، مقیم مرکز دہلی

ان مذکورہ افراد کے علاوہ عالمی شوریٰ کے لئے مزید افراد کا انتخاب کر کے تعداد کی کمی کو پورا کر دیا گیا۔

آنے والی سطور میں ان تمام اراکین کے اسماء گرامی آپ کی نظر سے گذریں گے۔ تکمیل شوریٰ کا یہ عمل بہت معمولی اور عام قسم کا عمل تھا۔ چنانچہ ہر جگہ کی دینی توتیں

اور اسلامی مدارس بڑی آسانی اور سہولت کے ساتھ اس کو کرتی چلی آ رہی ہیں لیکن یہاں چونکہ معاملہ اغراض اور مفادات کا تھا اس لئے اس نے انتہائی سنگین صورت اختیار کر لی۔

اس بے حد نازک موقعہ پر دنیا بھر کے دعاۃ، مبلغین اور علماء و قدماء کی موجودگی میں جو احوال و واقعات پیش آئے اور جو جگ ہنسائی ہوئی۔ قرطاس و قلم کو یارا نہیں ہے کہ ان کو تحریر میں لائے۔ دعوت و تبلیغ کے عظیم تر روحانی قائد و مربی حضرت شیخ مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی کی عزت و ناموس کا ہر وقت پاس و لحاظ رکھنے والوں اور ان ہی کی نسبت و برکت سے پوری دنیا میں متعارف بعض افراد خاندان (جو اس وقت مرکز رائیونڈ میں اس تشکیلی مجلس میں موجود تھے) کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور ان کی حساس طبیعتوں نے ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

یہاں ان واقعات کے اعادہ کی اس لئے بھی ضرورت نہیں کہ اب وہ پوری دنیا میں واٹس اپ اور یوٹیوب پر دیکھے اور سنے جا سکتے ہیں۔

شوریٰ کی اس تکمیل کے بعد رائیونڈ تبلیغی مرکز سے ۴؍صفر ۱۴۳۷ھ/۱۶؍نومبر ۲۰۱۵ء میں جو اعلامیہ پوری دنیا میں کام کرنے والے احباب کے لئے جاری کیا گیا اس کا مکمل متن یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اللہ رب العزت نے اس دور میں حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ذریعہ سارے عالم میں دین کے احیاء کے لئے ظاہری وسائل کے بغیر نہج نبوی کے مطابق دین کی محنت کو زندہ کرنے کی مجاہدہ و قربانی کے ساتھ بنیاد ڈلوائی۔

ان کے انتقال سے قبل خود مولانا ہی کے فرمانے پر اس وقت کے اہل حل وعقد نے باہمی مشورہ سے حضرت مولانا محمد یوسفؒ کو ذمہ دار متعین فرمایا، جنہوں نے مولانا محمد الیاسؒ کے طرز پر قرآن مجید، احادیث مبارکہ، سیرت نبوی

14

اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک زندگی کی روشنی میں کام کے مقصد اور طریقے کو واضح کیا اور اعتدال کی مکمل رعایت رکھتے ہوئے کام کا تفصیلی نقشہ امت کے سامنے پیش فرمایا اور یہ کام سارے عالم میں پہنچ گیا۔

حضرت مولانا محمد یوسفؒ کے انتقال پر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ نے اہل حل وعقد کے مشورے سے حضرت مولانا انعام الحسن کو اس مبارک کام کی ذمہ داری سونپی۔ انہوں نے ہر طرح کام کے نہج کی حفاظت فرمائی اور پھیلتے ہوئے کام میں اصل نہج کی حفاظت کے لئے انہوں نے اپنے رفقاء کے مشورے سے مختلف ممالک میں شوریٰ کی ترتیب قائم فرمائی۔ کہیں امیر کے ساتھ شوری اور کہیں احباب شوری میں سے باری باری فیصل بننے کی ترتیب بنائی گئی۔ نیز تمام ممالک میں بڑھتے ہوئے کام کی نگرانی اور ترقی کے لئے اپنے ساتھ دس اراکین پر مشتمل اپنی شوری بنائی جو حضرت جیؒ کی سرپرستی میں ہر جگہ کی شوری اور کام کرنے والے احباب کو اعتماد میں لے کر کام کرتی رہی۔ حضرت جیؒ کے وصال کے بعد وہ شوریٰ اسی نہج پر مصروف عمل رہی جس پر تینوں اکابر نے کام کو چلایا تھا۔

نومبر ۲۰۱۵ء میں نظام الدین، رائیونڈ، بنگلہ دیش اور دیگر ممالک کے پرانے ذمہ دار احباب نے اس بات کی ضرورت محسوس کی کہ حضرت جیؒ کی قائم فرمودہ شوریٰ کی تکمیل کی جائے، جس کے آٹھ افراد کا انتقال ہو چکا ہے اور صرف دو باقی رہ گئے ہیں، تاکہ اس کام کا نہج اور طریقہ کار محفوظ رہے اور جب کبھی کسی اضافے یا تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو وہ اس شوریٰ کے مکمل اتفاق سے ہو، تاکہ اجتماعیت باقی رہے۔ نظام الدین، رائیونڈ اور کاکرایل میں کوئی ترتیب اس شوریٰ کے اتفاق کے بغیر شروع نہ کی جائے۔ شوریٰ کے کسی فرد کی

کمی ہو جائے تو شوریٰ کے بقیہ احباب میں سے کم از کم دو تہائی افراد کی منظوری سے کمی پوری کر لی جائے تاکہ شوریٰ کا وجود برقرار رہے اور یہ مبارک کام امت کا کام ہے اور اجتماعی کام ہے۔

ہر جگہ کے پرانوں سے مذاکرے اور رائے لینے کے بعد اس شوریٰ میں محترم جناب حاجی عبدالوہاب صاحب مدظلہ العالی اور مولانا محمد سعد صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ مندرجہ ذیل احباب کا اضافہ کیا گیا ہے۔

انشاءاللہ اب آئندہ یہ شوریٰ تیرہ افراد پر مشتمل ہو گی۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب دیولہ	(نظام الدین)
مولانا یعقوب صاحب	(نظام الدین)
مولانا احمد لاٹ صاحب	(نظام الدین)
مولانا زہیر الحسن صاحب	(نظام الدین)
مولانا نذر الرحمٰن صاحب	(رائیونڈ)
مولانا عبدالرحمٰن صاحب	(رائیونڈ)
مولانا عبیداللہ خورشید صاحب	(رائیونڈ)
مولانا ضیاء الحق صاحب	(رائیونڈ)
قاری زبیر صاحب	(کاکرایل)
مولانا ربیع الحق صاحب	(کاکرایل)
بھائی واصف الاسلام صاحب	(کاکرایل)

اس شوریٰ میں نظام الدین کے جو پانچ احباب ہیں وہ نظام الدین کی شوری میں ں گے اور یہ شوری نظام الدین کے جملہ امور باہمی مشورے سے سر انجام دے گی۔

مورخہ: ۳ر صفر ۱۴۳۷ھ/ ۱۶ر نومبر ۲۰۱۵ء

دستخط کنندگان۔

محمد عبدالوہاب عفی عنہ	محمد یعقوب
نذرالرحمٰن	احمد لاٹ
محمد احسان الحق	محمد خالد صدیقی
طارق جمیل	فاروق احمد
بخت منیر	ثناء اللہ خاں
روح اللہ عفی عنہ	عبدالرحمٰن
محمد رفیق	محمد اسماعیل

اس عالمی شوریٰ کی تشکیل وتکمیل کے بعد جو پانچ حضرات نظام الدین کے جملہ امور کے لئے طے کئے گئے ان کی جانب سے ایک ضروری وضاحت مرتب کر کے عمومی طور پر کارکنان تبلیغ کو فرداً فرداً پہنچائی گئی۔ اس ضروری وضاحت کا متن یہ ہے۔

باسمہ تعالیٰ

۱۔ اللہ رب العزت نے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ پر دعوت کی محنت کا القاء فرمایا

۲۔ حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے اس محنت کے نہج مقاصد اور طریقہ کار کے ہر ہر چیز کی تشریح فرمائی۔

۳۔ حضرت مولانا انعام الحسنؒ نے اسی کو منظم اور مرتب فرما کر محفوظ فرمایا۔

۴۔ ہم چاہتے ہیں کہ کام اسی اصل اور ڈگر پر رہے اور کوئی ضرورت اس میں اضافے یا ترمیم کی اگر پیش آئے تو اس وقت تک شروع نہ کی جائے جب تک تینوں مراکز (نظام الدین، رائیونڈ، ٹکرائیل) کا اس پر اجماع نہ ہو جائے۔

اسی مقصد کے لئے حضرت جیؒ کی شوریٰ کی تکمیل کی گئی ہے۔

اس شوریٰ میں نظام الدین کے جو پانچ حضرات ہیں وہ نظام الدین میں

نوبت بہ نوبت فیصل رہیں۔ فقط

اس ضروری وضاحت میں دیکھنے اور عبرت حاصل کرنے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر شان قدرت کا مشاہدہ کرنے والی چیز یہ ہے کہ مرکز رائیونڈ سے ۴ر صفر ۱۴۳۷ھ/ ۱۶ر نومبر ۲۰۱۵ء میں دنیا بھر کے لئے جاری اعلامیہ اور پھر مرکز نظام الدین دہلی کی پانچ نفری شوریٰ کی جانب سے دنیا بھر میں بھیجی جانے والی اس تحریری وضاحت میں حضرت جی ثالث، حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کا نام نامی اسی شان اور آن کے ساتھ نہ صرف شامل ہے بلکہ حضرت مولانا محمد الیاس اور حضرت مولانا محمد یوسف کے ساتھ ساتھ ثالث ثلاثہ اور فعززناھما بثالث کے طور پر محفوظ و موجود ہے۔

اس سے سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت جی ثالث کی وفات ۱۰ر محرم ۱۴۱۶ھ/ سے لے کر ۴ر صفر ۱۴۳۷ھ تک حضرت جی ثالث کی محنت کو داغ دار کرنے بلکہ اس کو لغو اور فضول تحریک ثابت کرنے اور بتیس سالہ بگاڑ کو آہستہ آہستہ دور کرنے کی پوری اکیس سالہ محنت کو قدرت کے اَن دیکھے ہاتھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے مٹی میں ملا دیا۔ لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا۔

کاتب سطور نے پاکستان کے مشہور و معروف عالم دین اور محدث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں زید مجدہ کو ایک تفصیلی مکتوب موصوف کے آمدہ خط کے جواب میں ارسال کیا تھا، چونکہ اس کا تعلق بھی اسی عالمی شوریٰ کی تشکیل، اس کے آغاز اور اس کے پس منظر سے ہے اور اس سلسلہ کی بہت سی تاریخی معلومات اس میں موجود ہیں اس لئے اس کو بھی قارئین کے مطالعہ کے لئے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ اس عالمی شوریٰ کی بنیادیں کس قدر ٹھوس حقائق پر قائم ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت المکرم ومخدوم العالم مولانا سلیم اللہ خاں صاحب زید مجدہ

شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی/ صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے، یہ احقر بھی بفضلہ تعالیٰ بعافیت ہے۔

وسط شعبان میں جب کہ یہ احقر گجرات، بنگلور، بہار وغیرہ کے سفر پر تھا۔ رنگون (برما) سے ایک اہل تعلق کا فون موصول ہوا کہ حضرت والا ایک ضروری خط مجھے بھیجنا چاہتے ہیں اس کے لئے ای میل ایڈریس کی ضرورت ہے۔

چنانچہ احقر نے ان کو جامعہ مظاہر علوم کا ای میل ایڈریس بھیج دیا تھا لیکن مجھے حضرت والا کا کوئی خط موصول نہیں ہوا۔ اب ۱۷ر رمضان میں دبئی سے ایک کرم فرمانے حضرت مولانا محمد طلحہ اور اس احقر کے نام جناب والا کے مشترک خط کی فوٹو اسٹیٹ مجھے ارسال کی۔

یہ مکتوب گرامی ۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۷ھ/ ۱۰ر جون ۲۰۱۶ء کا تحریر فرمودہ ہے۔ معلوم نہیں اتنے عرصہ تک یہ کہاں ٹھہرا رہا۔ میرا اخلاقی فریضہ ہے اور ادب کا تقاضہ بھی ہے کہ اس خط کا جواب خدمت والا میں ارسال کروں۔

حضرت والا! مرکز نظام الدین دہلی کے قضیہ میں خدا معلوم کتنے لوگوں نے مجھ سے صحیح صورت حال کی وضاحت تحریری طور پر چاہی لیکن اس احقر نے متعدد وجوہات کی بنا پر سکوت کو ترجیح دی اور یہ ہی کہا کہ مرکز کے متعلق وہاں کے مقیم اہل مشورہ یا دعوتی کام کے پرانوں سے رجوع کریں، لیکن جناب والا کی عالمانہ وبزرگانہ شخصیت نیز آپ کا حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کی نسبی وبنی اور علمی وراثت کا حوالہ دینے نے احقر کو جواب دینے پر مجبور کر دیا، اللہ جل شانہ مجھے بلا خوف لومۃ لائم حق بات کہنے اور لکھنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

حضرت والا! یہ تو جناب کو معلوم ہی ہے کہ اس احقر کو اللہ جل شانہ نے محض

اپنے فضل وکرم سے مخدومنا حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کی خدمت مبارکہ میں اپنی حیات مستعار کے شب وروز گذارنے کا موقعہ عطا فرمایا اور یہ سعادت بھی عطا فرمائی کہ کم وبیش دس سال تک یہ احقر حضرتؒ کی نگرانی اور تربیت میں بلدہ طیبہ مدینہ منورہ رہا ہے۔ اس لئے ایسے ایسے احوال وواقعات سے واقف ہوں جو دوسروں کو ہرگز معلوم نہیں ہوں گے، ان میں سے چند احقر نے حال ہی میں شائع ہونے والی اپنی جدید کتاب ''عالم عرب میں حضرت شیخ کا مقام'' میں شامل بھی کر دیے ہیں۔

اب مختصراً عرض ہے کہ حضرات اہل علم اور قدیم دعاۃ ومبلغین اور کام کے ذمہ داروں کے تجزیے اور جائزے کے مطابق مرکز کے ہنگامے اور فتنہ کی اصل وجہ اس شوریٰ کو تسلیم نہ کرنا ہے، جو حضرت جی ثالث حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے بڑے غور وتدبر اور اونچی سطح کے حضرات کے باہمی صلاح ومشورہ کے بعد دعوتی کام کے تحفظ اور شر ودفتن سے حفاظت کی غرض سے قائم فرمائی تھی۔

جناب والا کو معلوم ہے کہ دعوت وتبلیغ کی اس عظیم اور مبارک محنت کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو دربار نبوی ﷺ سے یہ بشارت اور خوشخبری ملی تھی کہ ہم تم سے کام لیں گے۔ بشارت کا یہ تفصیلی واقعہ حضرت شیخ کی آپ بیتی میں، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی دینی دعوت میں اور اس احقر کی کتاب سوانح ''مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی'' میں موجود ہے۔ اس کے بعد سے بڑے تواتر وتسلسل کے ساتھ نبوی منامات ومبشرات وہدایات پر یہ دعوتی کام پورے عالم میں پھیلتا چلا گیا۔

حضرت مولانا محمد عمر پالنپوری کو اللہ غریق رحمت فرمائے بڑی کثرت کے

ساتھ ان کو سرکار دو عالم ﷺ کی خواب میں زیارت ہوتی تھی اور وہ وہاں سے ملنے والی ہدایات اور مشوروں سے حضرت شیخ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمہما اللہ کو بذریعہ خطوط مطلع کرتے اور یہ دونوں حضرات اس کی پوری پوری تعمیل فرماتے تھے۔

حضرت شیخ یہ خطوط سن کر اس احقر کو مرحمت فرمادیا کرتے تھے، چنانچہ آج بھی یہ محفوظ ہیں۔

اسی سلسلۂ احوال وواقعات کا ایک اہم اور نمایاں واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخؒ کو مدینہ منورہ کے زمانۂ قیام میں محسوس ہوا کہ حضرت مولانا انعام الحسن آج کل دہلی میں بیحد متفکر خاموش اور کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ہیں، چنانچہ حضرت شیخؒ نے مولانا محمد عمر پالنپوری سے فرمایا کہ مولانا انعام الحسن صاحب سے پوچھ کر بتلائیں کہ آج کل آپ پر کس چیز کا فکر ہے؟ مولانا پالنپوری کے دریافت کرنے پر حضرت جیؒ نے جواباً فرمایا کہ!

"یہ لکھ دو کہ اپنے بعد اس دعوتی کام کا فکر ہے۔"

حضرت کو جب یہ جواب معلوم ہوا تو اپنے معمول کے مطابق اس مسئلہ کو دربار نبوی سے حل کرانے کے لئے اپنی معروض پیش کی وہاں سے جواب ملا کہ اب یہ دعوتی کام امارت کی بنیاد پر نہیں چلے گا بلکہ مشورہ کی جماعت سے چلے گا۔

چنانچہ اسی منشائے نبوی بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں فیصلۂ نبوی کی بنیاد پر حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نے تمام دنیا کے تبلیغی مراکز میں شورائی نظام قائم فرمایا۔ جہاں جہاں شوری موجود تھی اس میں افراد کا اضافہ کر کے اس کو مضبوط کیا اور جہاں شوری نہیں تھی وہاں افراد متعین کر کے اس کو قائم کیا اور حروف تہجی کے اعتبار سے فیصل مقرر فرمائے۔

حضرت والا! اس حقیقت سے بھی بخوبی واقف ہیں کہ حضرت مولانا انعام الحسنؒ روحانیت اور معرفت وعرفان کے اونچے مقام پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ علمی ومطالعاتی حیثیت سے بھی نابغۂ روزگار تھے۔ قرآن وسنت اور تاریخ صحابہ وسیرت رسول پر آپ کی گہری اور وسیع نگاہ تھی۔ اس لئے مشورہ کی جماعت مشورہ کے اصول اور شوریٰ کی اہمیت وقطعیت پر وہ تمام آیات واحادیث وآثار ان کے سامنے موجود تھے جن کے بکثرت حوالے جابجا قرآن وسنت واسوۂ رسول اور تعامل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ہمیں دیکھنے اور پڑھنے کے لئے ملتے ہیں۔ چنانچہ اس عالمی شوری کی تشکیل میں بھی یہ تمام عوامل کارفرما رہے۔

اور پھر اسی نظریہ سیرت اور منشائے نبوی کی روشنی میں ۱۹۸۳ء کے اجتماع رائیونڈ میں حضرت قاضی عبدالقادر صاحب اور حضرت مولانا مفتی زین العابدین جیسے اکابر تبلیغ نے حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے طویل مشورہ کر کے ایک ایسی عالمی شوری بنانے پر بھی اتفاق رائے فرمایا جو اس دعوتی کام کی پوری پوری نگرانی کرے اور اس کو اپنے بڑوں کے قائم کردہ نہج ومنہج سے ہٹنے نہ دے۔

اس سلسلہ کی جو یادداشت میرے پاس موجود ہے اس میں مخدومنا حضرت الحاج عبدالوہاب صاحب زادمجدہ کا نام نامی درج نہیں ہے لیکن یہ یقینی بات ہے کہ ایسے اہم اور تاریخی فیصلہ میں وہ ضرور تشریف فرما ہوں گے۔

اس عالمی شوری کی اکثریت جب اپنے اپنے وقت پر اللہ کے حضور میں حاضر ہوگئی تو ضرورت محسوس ہوئی بلکہ حالات اور واقعات نے تمام پرانے کام کرنے والوں کو مجبور کیا کہ وفات یافتگان کی جگہ پر دوسرے حضرات کو نامزد کردیا جائے۔ چنانچہ بفضلہ تعالیٰ حالیہ اجتماع رائیونڈ میں وہ نامزد ہو گئے۔

اب جو کچھ بھی احوال ہیں اور جس قدر بھی کام میں ضعف اور انحطاط ہے اور جس قدر بھی دنیا بھر کے مراکز میں دو ذہن بنا دیئے جانے کی وجہ سے انتشار و خلفشار ہے وہ مجلس شوریٰ کو تسلیم نہ کر کے اپنی انفرادیت اور حاکمیت کو قائم کرنے کی وجہ سے ہے۔

حضرت والا کو اس کا بھرپور علم ہے کہ جہاں اور جن جن دینی اداروں اور مدارس میں مجالس شوریٰ قائم ہیں وہ ان مدارس کے مقابلے میں زیادہ بہتر اور مؤثر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ جہاں پر شورائی نظام قائم نہیں ہے، اسی طرح جن اداروں میں شورائی نظام قائم ہے اور وہ شیخ الاسلام حضرت اقدس مدنی اور حکیم الامت حضرت اقدس تھانوی کے الفاظ میں ہیئت حاکمہ بن کر کام کر رہی ہے ان مدارس میں ہر اعتبار سے شفافیت نظم وضبط اور قانون کی حکمرانی اُن اداروں سے کہیں بڑھ کر ہے جہاں مجلس شوریٰ ہیئت حاکمہ کی حیثیت سے موجود نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے اکابر کے نقوش اور ان کے قائم کردہ خطوط پر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ اگر خدمت دین کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع ہی نہ ملے۔

حضرت والا اعداء اسلام کی اس دعوتی محنت کو ختم کرنے یا اس کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے سلسلے میں ایک واقعہ اور بھی عرض کرتا ہوں۔

حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کا میوات کا آخری سفر تھا جس میں یہ احقر بھی ہمرکاب تھا، مجھے اللہ جل شانہ نے بلا استحقاق یہ سعادت عطا فرما رکھی ہے کہ حضرت جی ثالث کی حیات کے آخری سات و آٹھ سالوں میں ان کے تمام ملکی وغیر ملکی اسفار میں ایک خادم کی حیثیت سے ساتھ رہنے کا موقع مرحمت فرمایا۔

چنانچہ اس سفر میوات میں بندہ نے یہ منظر دیکھا کہ حضرت جی ثالث مغرب بعد نوافل سے فارغ ہو کر انتہائی خاموش اور متفکر ہو کر قبلہ رخ بیٹھے رہے۔ عام طور سے ایسی تنہائیوں کے موقع پر یہ احقر ایک دو باتیں خدمت میں پیش کر دیا کرتا تھا لیکن اس وقت کے حزن و تفکر کو دیکھ کر بندہ نے پہلا سوال صحت اور طبیعت کے بارے میں کیا تو فرمایا کہ ''الحمد للہ ٹھیک ہے،'' کچھ توقف کے بعد بندہ نے پھر صحت مزاج کے بارے میں دریافت کیا تو بہت ٹھنڈا سانس بھر کر یہ جواب دیا کہ بھائی اب اعداء اسلام اور معاندین تبلیغ نے یہ طے کیا ہے کہ دعوت وتبلیغ کے اونچی سطح کے افراد میں باہمی اختلافات پیدا کئے جائیں تاکہ کام کو نقصان پہنچے، مجھے اس وقت اسی کا فکر سوار ہے۔

اب جو دلدوز اور دلسوز احوال مشاہدہ میں آ رہے ہیں ان کو دیکھ کر حضرت جیؒ کے تفکرات کی گہرائی کا احساس ہو رہا ہے۔

لیکن حضرت والا! مجھ جیسے بے حیثیت اور دعوت وتبلیغ میں جان و مال اور زندگی بھر کی قربانیوں کے ساتھ چلنے والے لاکھوں باحیثیت لوگوں کے دل ودماغ اندر سے مطمئن ہیں کہ فتح مندی اور کامیابی صرف منشائے نبوت بلکہ فیصلۂ نبوت کے تحت قائم ہونے والی شوریٰ ہی کو ملے گی، اور جو اس منشا و فیصلہ کو توڑیں گے ناکام ہوں گے، اس لئے کہ دنیا بھر میں جس قدر بھی روشنی اور اجالا ہے وہ صرف اسم محمد ﷺ سے ہے، ان کے غیر سے نہیں ہے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ذہنی وفکری کج روی سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ اللہ جل شانہ اور سیدنا محمد ﷺ کے نام اور کام پر مر مٹنے والوں کے قائم کردہ نہج اور منہج سے ہٹنے میں وہ تمام فتنے اور وہ تمام ذلتیں ورسوائیاں موجود ہیں جن کا آپ اور ہم اور ساری دنیا مشاہدہ کر رہی ہے۔ اس لئے کہ

"فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ اویصیبھم عذاب الیم" ایک حقیقت ہے۔

اعوذ باللہ من غضبہ وغضب رسولہ وغضب اولیائہ

دعوات صالحہ کا محتاج: سید محمد شاہد غفرلہ سہارنپوری

نواسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی

۲ رشوال المکرم ۱۴۳۷ھ/ ۸ رجولائی ۲۰۱۶ء

عالمی شوریٰ کی اس توسیع وتکمیل پر دنیا بھر میں اس دعوتی وتبلیغی محنت سے وابستہ یا اس سے دلی ہمدردی ومخلصانہ تعلق رکھنے والے جن حضرات نے اپنی تائیدات پیش کیں اور جس طرح سے ملکوں ملکوں اس کو حمایت ملی وہ بلا مبالغہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں اور ان موئیدین کے نام ہی اس بات کی ضمانت کے لئے کافی ہیں کہ یہ اپنے اپنے ملکوں میں کتنی بلند سطح رکھنے والے حضرات ہیں۔

عالمی شوریٰ کا احترام اور اس کے فیصلوں پر آپ کا عمل

گذشتہ صفحات میں مختلف انداز سے عالمی شوریٰ کا تذکرہ کافی تفصیل سے آچکا ہے، اب اسی ضمن میں یہاں یہ اضافہ بھی کیا جاتا ہے کہ مولانا مرحوم نے ہمیشہ عالمی شوریٰ کا نہ صرف احترام کیا بلکہ اس کے فیصلوں کی بھرپور تعمیل بھی کی۔

مثال کے طور پر اس شوریٰ نے پہلا فیصلہ یہ کیا تھا کہ اب نظام الدین تبلیغی مرکز میں بیعت کا سلسلہ بند کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جن اصحاب کو جن مشائخ واکابر سے بیعت ہونا ہو وہ اپنے مقامات پر اس سلسلہ کو جاری رکھ سکتے ہیں۔

مولانا زبیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے کہ انہوں نے حضرت جی ثالث کی وفات کے بعد عالمی مجلس شوریٰ کے اس فیصلہ کے احترام میں بیعت کرنے میں بہت ہی زیادہ احتیاط کی۔ حالانکہ وقت کے بہت سے اکابر نے طالبین اصلاح کو آپ سے رجوع

کرنے اور روحانی تعلق رکھنے پر متوجہ کیا لیکن انہوں نے اپنا معمول یہ بنالیا تھا کہ جب ان سے بیعت ہونے پر اصرار کیا جاتا تو وہ اتنا کہہ دیا کرتے تھے کہ والد صاحب کی بیعت ہی کافی ہے۔ اب آپ ان کے بتلائے ہوئے معمولات پر عمل کریں اور جو پوچھنا ہو مجھ سے پوچھ لیا کریں۔

کاتب سطور ان کی مجلس میں بہت کثرت سے یہ منظر دیکھا کرتا تھا کہ اہل دعوت اور اہل علم ان سے بیعت ہونے کے لئے اصرار کرتے مگر وہ یہ کہہ کر انکار کردیا کرتے تھے کہ شوریٰ کی طرف سے ممانعت ہے اور اس شوریٰ میں، میں خود موجود تھا، جس میں یہ ممانعت کی گئی۔ اس لئے میں کیسے بیعت کرکے اس فیصلے کی مخالفت کروں۔

خود راقم سطور کو متعدد لوگوں نے اس سلسلہ میں ذریعہ اور واسطہ بنانا چاہا لیکن وہ اپنے انکار پر آخر تک قائم رہے۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی سفارش کاتب سطور نے مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی کے مسلسل تقاضوں اور اصرار پر ان کے حق میں کی تھی لیکن مرحوم نے شوریٰ کے فیصلہ کا احترام کرتے ہوئے معذرت کردی تھی۔

ایسے ہی سورت میں مقیم منیار خاندان کی دو مشہور ومعروف شخصیتیں (جناب الحاج شیخ محمود منیار اور جناب شیخ عبدالحفیظ منیار) کے متعلق راقم سطور کو ذاتی طور پر معلوم ہے کہ انہوں نے جب مولانا مرحوم سے بیعت پر اصرار کیا تو ان کو بھی شوریٰ کا فیصلہ کہہ کر معذرت کردی۔

انکار بیعت کے تعلق سے جناب پروفیسر خالد صدیقی خود اپنے متعلق لکھتے ہیں!

بندہ کو یاد ہے کہ ایک بار تخلیہ میں میں نے مولوی زبیر صاحب مرحوم سے عرض کیا کہ اپنا ہاتھ بڑھائیے اور مجھے بیعت کرلیجئے۔ بندہ پہلے تو مولانا یوسف صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا، ان کے وصال کے بعد مولانا محمد انعام الحسن صاحبؒ سے بیعت ہوا، اب ان کے اجازت یافتہ صرف ایک آپ ہی ہیں۔

مجھے بیعت فرمالیں تاکہ بندہ کا خانہ خالی نہ رہے۔ مگر بندہ کی اس درخواست پر مولوی زبیر صاحب مرحوم تیار نہ ہوئے جبکہ اس وقت ان کے حجرے میں ہم دونوں ہی تھے اور میری درخواست کے جواب میں فرمایا کہ حضرت کے وصال کے بعد شوریٰ نے اپنے مشورہ سے کسی مصلحت کی وجہ سے بیعت کو موقوف کردیا ہے۔ شوریٰ میں ایک میں بھی ہوں اور اس مشورہ میں شریک تھا، شوریٰ کے اس فیصلہ کی خلاف ورزی مناسب نہیں ہے۔ تم حضرت سے بیعت تھے اور حضرت نے جو پڑھنے پڑھانے کے لئے فرمایا ہوگا وہ کرتے ہی ہوں گے، البتہ اس سلسلہ میں کچھ رہبری چاہو تو میں حاضر ہوں مگر شوریٰ کے مشورہ کی خلاف ورزی کرکے میرا بیعت کرنا مناسب نہیں۔

اور بندہ کو جہاں تک معلوم ہے انہوں نے اپنی زندگی میں کسی کو بیعت نہیں فرمایا اور بہت جلد اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ خدائے کریم ان کی تربت پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے۔

(۲) اسی طرح اس شوریٰ نے ایک بڑا قدم اٹھاتے ہوئے دوسرا فیصلہ یہ لیا تھا کہ اب اس دعوتی وتبلیغی کام کا کوئی امیر نہیں ہوگا بلکہ اب ہر جگہ جماعتی مشورہ کی بنیاد پر یہ کام ہوگا۔

مولانا زبیر مرحوم نے (اللہ جل شانہ ان کو غریق رحمت فرما کر اپنے آباء صالحین کے ساتھ ان کا حشر فرمائے) اس فیصلہ کو بڑی بشاشت اور خوش دلی کے ساتھ قبول کرکے اپنی آخری بیس سالہ حیات میں اپنے آپ کو جماعتی فیصلہ اور اجتماعی مشورہ کے تابع کرلیا تھا ان کی اس عظیم قربانی سے یہ دعوتی کام پوری دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑا رہا اور عالمی انتشار و خلفشار سے محفوظ رہا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑا فضل وکرم اور انعام تھا کہ مرحوم نے والد ماجد (حضرت جی ثالث) کی وفات کے بعد اپنے بیس سالہ دور حیات یا عہد مشاورت میں نہ تو اپنے آپ کو امیر کہا نہ پوری امت کا امیر بننے کی خواہش ظاہر کی اور نہ ہی کبھی حیلوں

بہانوں سے اپنا امارت کا دعویٰ کیا۔

اس معاملہ میں وہ اپنے دونوں پیش رو اکابر حضرت جی ثانی اور حضرت جی ثالث کے نقش قدم پر تھے، اس لئے کہ یہ دونوں حضرات بھی بقول حضرت مولانا محمد یعقوب زید مجدہ اگرچہ سب کے نزدیک متفقہ امیر تھے مگر کبھی انہوں نے امارت کا دعویٰ نہیں کیا کبھی حکم کے انداز میں بات نہیں کی اور کبھی اپنی نہیں چلائی۔ اور امیر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ہمیشہ مشورہ کے تابع رکھا۔

(اقتباس مکتوب مولانا موصوف محررہ ۲۳ ذی قعدہ ۱۴۳۷ھ/ ۱۳ اگست ۲۰۱۶ء)

کاتب سطور نے ان کی جانب سے مجلس شوریٰ کے احترام کی یہ دو نظیریں نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں ورنہ یہ فہرست تو بہت طویل ہے۔

(۳) منتخب احادیث بمقابلہ فضائل اعمال

جماعت تبلیغ کی بنیاد جن چھ اصولوں پر قائم ہے وہ کلمہ طیبہ، نماز، علم وذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت اور تفریغ وقت ہیں، مولانا محمد یوسفؒ نے اپنی وفات سے چند سال پہلے ان چھ اصولوں پر علیحدہ علیحدہ طور سے احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا اور ایک ساتھ متعدد اہل علم کو علیحدہ علیحدہ موضوعات دیئے کہ وہ ان پر وسعت کے ساتھ احادیث جمع کریں اور اس کے لئے آپ نے بہت سے ذیلی عنوانات بھی مقرر فرمائے۔

ان اہل علم حضرات میں ایک مولانا عبداللہ طارق (مقیم بستی حضرت نظام الدین دہلی) بھی تھے، جن کو اکرام مسلم کے عنوان پر احادیث کی جمع وترتیب کا کام سونپا گیا تھا۔ باخبر حلقوں کا کہنا ہے کہ حضرت مولاناؒ کی منشاء اور خواہش اس کتاب کی جمع وترتیب سے صرف اتنی تھی کہ اس کتاب کی متعدد نقولات اور قلمی نسخے تیار کرکے مختلف مراکز میں بھیجیں تاکہ وہاں کے مقیم اہل علم وعلماء حضرات اس سے استفادہ کریں، اسی لئے یہ حیات الصحابہ، امانی الاحبار وغیرہ کی طرح نہ حضرت جی ثانی کے ۲۲ رسالہ دور میں شائع ہوئی اور نہ ہی

حضرت جی ثالث کے ۳۲ رسالہ طویل دور امارت میں منظر عام پر آئی۔

لیکن ایک خاص ذہنیت اور منصوبہ کے مطابق ۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء میں اردو، عربی وغیرہ دیگر درجنوں زبانوں اور متعدد ملکوں میں اس کی اشاعت بڑی تیزی کے ساتھ عمل میں لائی گئی اور پھر وہ حلقے جن کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی شان محدثیت اور فضائل اعمال کی شہرہ آفاقیت (۱) ہضم نہیں ہوتی تھی اور وہ جماعتیں جو دیوبند اور مقام دیوبند کو زہر آلود نگاہوں سے دیکھتی تھیں ان کے گھروں میں خوشی کے مارے گھی کے چراغ جلنے لگے۔

جماعتوں میں نکلنے والے عام افراد سے اسی طرح بڑے بڑے اجتماعات میں عام شرکاء سے بڑے وعدے اور مواعید اس پر لئے جانے لگے کہ وہ اس کتاب کو ضروری طور پر تعلیم میں پڑھیں گے اور سفر و حضر میں ہر جگہ اپنے ساتھ رکھیں گے۔

لیکن سب کچھ ہو جانے کے باوجود اب بھی یہ کتاب اتنی مظلوم ہے کہ آج تک اس کے تعلیمی اوقات کے بارے میں ذہنی الجھنوں اور فکری تحفظات کی وجہ سے کوئی ایک متعینہ ترتیب قائم نہیں ہو سکی۔ شروع میں اعلانات ہوتے رہے کہ پہلے فضائل اعمال پڑھ کر آخر میں کچھ دیر کے لئے اس کی بھی تعلیم کر دیا کریں، پھر دوسرا رخ یہ قائم ہوا کہ ایک دن فضائل کی اور ایک دن منتخب کی تعلیم ہوا کرے اور اب تیسرا رخ یہ چلایا جا رہا ہے کہ صبح کو منتخب ہوا کرے اور شام کو فضائل اعمال، اب چوتھا رخ کیا ہوگا وہ اللہ ہی کو معلوم ہے۔

یاد رہے کہ صبح میں منتخب اور شام میں فضائل کی تعلیم کا اصلی منشاء یہ ہے کہ نکلنے والی جماعتوں اور اجتماعات میں تعلیم کا اصل اور وسیع وقت صبح کا ہی ہوتا ہے اور اس میں شرکت

(۱) یہاں راقم سطور کو اس جرمن مستشرق کی تحقیق و ریسرچ کا حوالہ بھی دے دینا چاہئے جس میں اس نے دعویٰ کیا ہے کہ آج پوری دنیا میں دیوبند اور مسلک دیوبند کا عروج اور پھیلاؤ صرف فضائل اعمال کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

اب قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کون سے حلقے اور کون سی جماعتیں ہیں، جن کی خوشنودی طبع کے لئے منتخب احادیث کو فضائل اعمال کے مقابلہ پر لایا گیا۔

بھی جماعتی احباب زیادہ اہتمام سے کرتے ہیں، جب کہ شام کا وقت اس کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے غیر اہم ہوتا ہے اور مختصر بھی ہوتا ہے۔

اس کتاب کا ایک المیہ یہ بھی ہے کہ یہ جس قدر قیمتی اور وقیع ہے اس سے کہیں زائد یہ تنازعات میں پھنستی اور اترتی چلی جا رہی ہے اور کام کرنے والوں کے درمیان تفریق کا ذریعہ بنتی جا رہی ہے۔

پہلی وجہ اس کی یہ رہی کہ کھلی آنکھوں رہنے والوں کو اس کے پس پردہ مقاصد بخوبی معلوم تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس کا نشانہ صرف اور صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کی عالمانہ و محدثانہ شان کو چیلنج کرنا اور اس کے ذریعہ کام کو دورخ پر ڈالنا اور کام کرنے والوں میں ذہنی و فکری انتشار پیدا کرنا ہے۔

دوسری وجہ یہ رہی کہ کام کرنے والے مخلصین اور دعاۃ و مبلغین سے کسی بھی مرحلہ میں کوئی مشورہ نہیں لیا گیا اور نہ ہی اتفاق رائے کا ماحول بنایا گیا، چنانچہ مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی میں مقیم تمام خواص حضرات مثلاً مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب، مولانا محمد زبیر الحسن مرحوم، مولانا احمد لاٹ صاحب، پروفیسر محمد محسن صاحب، جناب الحاج نادر خانصاحب، جناب الحاج خالد صدیقی، جناب پروفیسر ثناء اللہ وغیرہ اور بیرونی دنیا میں نہ معلوم کس قدر خواص اس کتاب سے بالکل علیحدہ اور یکسو رہے۔ ان حضرات نے کبھی بھی کسی وقت بھی اور کسی بھی شکل میں نہ تو اس کتاب کی جماعتوں اور عمومی اجتماعات میں پڑھنے پڑھانے کی تائید کی اور نہ ہی کبھی ملک و بیرون ملک میں ہونے والے بڑے بڑے اجتماعات کے اپنے اپنے بیانات میں اس کی تائید اور حمایت میں کوئی لفظ یا کوئی جملہ کہا بلکہ ہر چھوٹے بڑے اجتماع یا مرکز نظام الدین میں ہونے والے ملکی یا غیر ملکی جوڑ میں اس کے خلاف پورے دلائل کے ساتھ مؤثر آواز اٹھا کر فضائل اعمال کی جگہ اس کو لانے کی بھرپور مخالفت کرتے رہے۔

[illegible] ستمبر ۲۰۰۶ء میں [illegible]

[illegible]

[illegible] حضرت مولانا محمد [illegible]

[illegible] کے ساتھ [illegible] کرتے چلے آ رہے ہیں۔

[illegible]

[illegible] ۲۰۰۹ء میں [illegible]

[illegible]

[illegible] معلوم ہوا کہ

مولانا سعد صاحب نے [illegible] کی تعلیم سے [illegible]

منتخب احادیث کی [illegible] تعلیم کی ترغیب دی۔ [illegible]

[illegible]

[illegible] آپ اس کی ترغیب نہ دیں۔

چنانچہ اس سلسلہ میں بھائی فاروق صاحب، ڈاکٹر ثناء اللہ، بھائی خالد صدیقی، [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] کتاب کی [illegible] دی۔

[illegible]

٢٢

[illegible]

[illegible]

[illegible] تبلیغ کے [illegible]

[illegible]

(١) [illegible]

[illegible]

(٢) [illegible] (٥٠) [illegible] مولانا محمد یوسف [illegible]

[illegible]

"مولانا محمد یوسف صاحب نے کبھی بھی اشارۃً، کنایۃً منتخب احادیث کی تعلیم کا ذکر نہیں کیا (چنانچہ اب) فضائل اعمال کو آہستہ آہستہ ختم کرکے اس کی جگہ پر منتخب احادیث کو لانے کی کوشش ہورہی ہے۔"

(۳) تیسرا اقتباس اُس طویل چار صفحاتی مکتوب سے لیا گیا ہے جو اس کتاب کے تعلق سے حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی نے آج سے کئی سال قبل ملک وبیرون ملک کے ذمہ داران دعوت وتبلیغ کی خدمت میں ارسال کیا تھا، وہ لکھتے ہیں!

"بندہ ابھی چند روز پہلے عمرہ کے سفر پر تھا واپسی پر دیکھا کہ اچھی خاصی ڈاک میرے نام کی جمع ہے، اس میں کئی خطوط اس مضمون کے ملے کہ ذمہ داران تبلیغ کی جانب سے یہ ہدایت اور تاکید کی جارہی ہے کہ تبلیغی جماعتوں اور مساجد میں فضائل اعمال کے بجائے منتخب احادیث کی تعلیم دی جائے۔ چنانچہ بہت سے مقامات پر لوگ وقتی طور سے منتخب احادیث کی بھی تعلیم کرتے ہیں اور جہاں ان ذمہ داران کا اثر ورسوخ زیادہ ہے تو صرف منتخب احادیث ہی کی تعلیم ہوتی ہے اور فضائل اعمال کو بالکلیہ نظر انداز کیا جارہا ہے کیونکہ ان کو بعض مرکزی ذمہ داروں کی جانب سے اشارہ کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔

میرا دل اس بات کو تو قبول نہیں کرتا کہ کوئی مرکزی ذمہ دار اس طرح کا اشارہ دے کہ فضائل اعمال جو تبلیغی نصاب کی حیثیت رکھتی ہے اس کو چھوڑ دیا جائے اور اس کی جگہ منتخب احادیث کی تعلیم کرائی جائے۔

اشکال صرف اس رخ پر ہے جو ہمارے بعض خدام دعوت وتبلیغ اپنے بعض بڑوں کے طرز عمل یا ان کے اشارے سے اپنا رہے ہیں کہ فضائل اعمال کو بالکل پس پشت ڈالتے ہوئے منتخب احادیث کو اس کی جگہ دے رہے ہیں۔

دعوت وتبلیغ میں نکلنے والے احباب کی دینی وعلمی تربیت کی خاطر مولانا

محمد الیاس نے ایک بنیادی نصاب مرتب کرایا اور اصرار کرکے حضرت شیخ سے فضائل کے کچھ رسالے تالیف کرائے۔ اس تجویز میں نہ جانے کس درجہ کا اخلاص تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی اور بے شمار انسانوں کی زندگیوں میں اس کی بدولت صالح انقلاب آگیا۔

مولانا محمد الیاس کے دونوں جانشین مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن بھی ان کتب فضائل کی تعلیم کو بہتر اور مفید سمجھتے رہے اور کسی طرح کا اشکال انہیں پیش نہیں آیا۔ بلکہ جن حضرات کے اشکالات ان کے سامنے آئے خوش اسلوبی سے ان کا جواب دے دیا۔ چونکہ ان حضرات کی نظر میں بھی یہ کتاب تبلیغ کے بنیادی نصاب کا درجہ رکھتی تھی۔

مولانا محمد یوسف نے تو اپنے ایک مکتوب میں حضرت شیخ کی فضائل کی ان کتابوں کے نام لکھنے کے بعد صاف طور سے یہ تحریر کر رکھا ہے کہ صرف یہ کتابیں ہیں جن کو اجتماعی تعلیم میں پڑھنا اور سننا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ وابستگان دعوت وتبلیغ کے حق میں ان کتب فضائل کی حیثیت بنیادی نصاب بلکہ بنیادی اصول کی ہے۔ ان سے انحراف یا بے توجہی کسی طرح مناسب نہیں ایسا کرنا اپنے بنیادی اصول سے انحراف قرار پائے گا، بلکہ اپنے اکابر پر جو کام کی بنیاد ہیں اور جن کے واسطے سے یہ کام ہم تک پہنچا ہے ان پر بے اعتمادی کے مرادف ہوگا۔"

حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف، مولانا محمد انعام الحسن بھی حضرات کے علم میں منتخب احادیث تھی اگر اس کتاب کا بھی اجتماعی تعلیم میں پڑھنا ہوتا تو اس پر عمل ان حضرات کی زندگی میں ہو چکا ہوتا۔

(۴) چوتھا اقتباس مولانا زبیر مرحوم کی اس طویل تحریر سے پیش کیا جارہا ہے جو

مرحوم نے مرکز کے لئے بنائے ہوئے ایک اپنی مجلس شوریٰ میں پیش کی تھی۔ اس تحریر میں آپ نے اپنی سابقہ تجویز کے حوالے سے اپنے تحریر کا اعلان کیا ہے اس میں آپ نے مرکز کے ایک ایسے نظام کی تجویز پیش کی تھی جس کے ذریعے مرکز کے تمام شعبوں کو ایک مرکزی نظام کے تحت کر دیا جائے۔ اس تجویز کو مجلس شوریٰ نے منظور کر لیا تھا اور اس کے مطابق آپ نے مرکز کے نظام کو ترتیب دیا تھا۔

اس تجویز کے بعد آپ نے اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ اس کتاب کے لکھنے کا مقصد کیا ہے اس کے بارے میں آپ نے خود ہی لکھا ہے۔

"میں نے کہ عاجز نے اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ کیا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے مرکز کے تمام شعبوں کے کام کو ایک مرکزی نظام کے تحت کر دیا جائے۔"

اس کتاب کے لکھنے کا مقصد کیا ہے؟

"اس کتاب کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے مرکز کے تمام شعبوں

اب حاجی صاحب کی ناراضگی کی وجہ معلوم ہوئی اور اندازہ ہوا کہ وہ کتنے دور اندیش ہیں۔

ایک اہم بات یہ عرض کرنی ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ نے چھ نمبروں کی جو احادیث جمع فرمائی تھیں وہ بہت تھوڑی تھیں، زیادہ تر احادیث علماء کی اس جماعت ہی نے شامل کر کے چھ نمبر مکمل کئے ہیں۔ اس لئے اس کو حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کی طرف جو منسوب کیا جارہا ہے وہ بھی ایک صاف جھوٹ ہے۔ افسوس ہے کہ ہمیں اُس وقت اندازہ نہ ہوسکا کہ ہم امت کو کتنے بڑے فتنہ میں ڈال رہے ہیں۔

ہماری آنکھیں اس وقت کھلیں جب حاجی صاحب نے اس (بات) سے بالکل اتفاق نہیں کیا کہ یہ ہماری اجتماعی تعلیم میں شامل کی جائے۔ واقعی یہ بندہ کتنا دور اندیش ہے کہ اُمت کو اس فتنے سے بچالیا۔

اتنے اہم خاندان سے نسبت رکھنے والے مولوی سعد کی یہ خیانت الامان الحفیظ ''عربی منتخب احادیث'' میں بھی مصنف کے نام کی جگہ اپنا ہی نام لکھ دیا۔ شہرت کی اس قدر بھوک، توبہ توبہ استغفر اللہ۔

کوئی پوچھے کہ ''منتخب احادیث'' تو پاکستان ہی کی تصنیف وتالیف ہے اور پہلی بار پاکستان ہی میں چھپی تو پھر اس کو فضائل اعمال کے خلاف شدومد سے کیوں چلا رہے ہو اور حضرت حاجی صاحب کے فیصلہ کو تم ماننے پر کیوں تیار نہیں ہو بلکہ اس کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہو۔

''منتخب احادیث'' اس وقت پورے عالم میں وجہ اختلاف اور فتنہ بن گئی ہے اب ہم لوگوں کو پچھتاوا ہے کہ ہم نے کیوں ایسے کا کہنا مان کر اس کتاب کو مرتب کیا۔ خدائے کریم ہماری اس کوتاہی کو معاف فرمادے۔

تصنیف کی لائن کی تو یہ عظیم خیانت ہے ہی۔

فقط والسلام بندہ محمد بلال کراچی

مولانا بلال کراچی کے اس مکتوب پر یہاں یہ اضافہ بھی مفید رہے گا کہ دہلی کے وہ حضرات جنہوں نے اس کتاب کی طباعت واشاعت کو اپنے ابتدائی مرحلہ میں ایک کارِ ثواب سمجھ کر اپنی جان، اپنا مال اور اپنا وقت اس پر صرف کیا تھا ان کا کہنا ہے کہ یہ مسودہ کی شکل میں کاپی کے ۳۰/۳۵ صفحات پر مشتمل تھی اور ہم ہی لوگوں نے حفاظت کی خاطر اس مسودہ کا لیمینیشن (Lamination) کرایا تھا لیکن ترجمہ کے ساتھ ساتھ اس کو تصنیف کر کے اتنی ضخامت دے دی گئی۔ اور پوری کتاب کی نسبت حضرت مولانا محمد یوسف کی طرف کردی گئی۔ اگر یہ اطلاع درست ہے تو یہ یقیناً علمی دنیا کی ایک بہت بڑی خیانت ہے۔

راقم سطور کے علم میں یہ بات بہت عرصہ سے ہے کہ حضرت مولانا محمد انعام الحسن جب پہلی مرتبہ حضرت مولانا محمد یوسف کے وصال کے بعد سہارنپور حضرت شیخؒ کی خدمت میں آئے تو اپنے ساتھ علماء مصر وحجاز کے بہت سے خطوط لے کر آئے، جن میں ان علماء کی جانب سے مولانا محمد یوسفؒ کی حیاۃ الصحابہ کے بہت سے واقعات پر تاریخی اشکالات اور ان واقعات سے نتائج کے استخراج اور استدلالات پر بڑے اعتراض تھے۔

مجموعی طور پر ان علماء کا کہنا یہ تھا کہ فلاں فلاں واقعات حیاۃ الصحابہ سے نکال دیئے جائیں کیونکہ وہ تاریخی معیار پر پورے نہیں اترتے۔

اس مجلس میں دونوں حضرات کا ان خطوط اور اس میں ذکر کردہ اعتراضات پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ حضرت شیخؒ نے ان اعتراضات واشکالات کو بڑے غور سے سننے کے بعد ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے جواباً ارشاد فرمایا کہ!

''مولوی انعام! ان سب لوگوں کو جواب میں بس اتنا لکھ دو کہ مصنف کا انتقال ہو چکا ہے اور اب ہمیں ان کی کتاب میں تغیر وتبدل کا کوئی حق نہیں ہے۔''

کاش فضائل اعمال کے ساتھ بھی اسی سیر چشمی اور وسعت قلبی کا معاملہ کرلیا جاتا لیکن اس پر کہاں تک رویا جائے کہ دعوت وتبلیغ کے معاندین اور حضرت شیخؒ سے فکری اور نظریاتی اختلاف رکھنے والے جو کام خیر القرون میں مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن سے نہیں کرا سکے وہ ان کے بعد ایک ہی جھٹکے میں بڑی آسانی سے ان ہی کے حسب ونسب سے کرالیا گیا، سچ ہے!

نسیم! اعداء سے کیا شکوہ پس مرگ
ہمیں یاروں نے مٹی میں ملایا

حیات الصحابہ پر حضرت شیخ کے اس اصولی جواب سے پتہ چلتا ہے کہ اگر اذہان وافکار میں قبولیت حق کی صلاحیت موجود ہے اور دل ودماغ حق وباطل کی کشاکشی سے محفوظ ہے تو پھر اپنے بڑوں کی عزت اور حرمت کی حفاظت بڑی آسان ہے۔

مولانا محمد یوسف اور مولانا انعام الحسن کے دور سے دعوت وتبلیغ کے میدان میں جان، مال اور اوقات کھپانے والے معمر مبلغین پہلے ہی دن سے اس کتاب (منتخب احادیث) کے متعلق تحریراً وتقریراً، اجتماعاً وانفراداً یہ وضاحت اور تنبیہ کرتے چلے آرہے ہیں کہ شوریٰ اور ساتھیوں کو مطمئن کئے بغیر اس کتاب کو اجتماعات، عمومی جماعتوں اور مساجد ومراکز میں پڑھنا اور پڑھانا بہت بڑے فتنہ کا پیش خیمہ ہے، چنانچہ ہر ہر ملک کے تمام مراکز اور تمام مراکز کے افراد شوریٰ میں اس کتاب کو لے کر جو قضیے اور اختلافات رونما ہوئے اور بیشتر مقامات پر آپسی ٹکراؤ کے جو واقعات سامنے آئے اس نے اجتماعیت کا شیرازہ بکھیر دیا اور دنیا کے کسی بھی ملک میں کام کرنے والوں کو کلمۂ واحدہ پر قائم نہیں رہنے دیا اور یہی اعداء اسلام اور معاندین تبلیغ کی خواہش اور گہری سازش تھی۔

راقم سطور کو چند سال پہلے کا اپنا واقعہ خوب یاد ہے کہ جب اس نے حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کے ایک بہت بافیض ممتاز خلیفہ اور خدا رسیدہ شخصیت کے سامنے

فضائل اعمال کا رونا رویا اور ان کو بتلایا کہ یہ ساری اسکیم اور جد وجہد حضرت شیخؒ کے عالمانہ ومحدثانہ مقام کو مجروح کرنے کے لئے چلائی جارہی ہے تو انہوں نے بہت ٹھیرے ہوئے لب ولہجہ میں بڑے اطمینان اور سکون سے راقم کے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے جواب دیا تھا کہ! ''شاید تمہیں فکر اور تاثر کی بالکل ضرورت نہیں اس لئے کہ فضائل اعمال اپنا بدلہ خود لے لیگی۔''

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جتنے اصحاب جانتے بوجھتے منتخب کی آڑ میں فضائل اعمال کو پس پشت ڈالنے میں لگے ہوئے تھے یا اپنے بھولے پن اور سادگی مزاج کی وجہ سے اُس کی طباعت اور اشاعت کو دعوت وتبلیغ کا شاہکار سمجھ رہے تھے، وہ سب کے سب عجیب وغریب طرح کے ابتلاآت اور آزمائشوں میں پھنستے چلے گئے، اور ان سطور کے لکھتے وقت بھی اُن سب کے چہرے راقم سطور کی نظروں میں ہیں لیکن فضائل اعمال کے مصنف کا حد سے بڑھ کر اخلاص، امت کی اصلاح کی کڑھن اور ہر امتی کے دل میں حدیث رسول ﷺ پہنچ جانے کا داعیہ اور اس کے مصنف کی ظاہری وباطنی طہارت اور سب سے بڑھ کر ہمہ وقت رجوع وانابت الی اللہ کا یہ سحر ہے یا کرشمہ کہ فضائل اعمال آج بھی افق عالم پر اپنا لوہا منوانے میں سو فیصد کامیاب اور اس کا مقابلہ کرنے والے سو فیصد ناکام ہیں۔

اور آج کی تاریخ میں دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں اور سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں کہ فضائل اعمال اپنا بدلہ خود لے رہی ہے کیونکہ یہ کتاب سیاہ روشنائی سے نہیں بلکہ خون دل کی سرخ لکیروں سے لکھی گئی ہے اور عشق نبوی اور محبت رسول سے سرشار ایک ایسے مومن بندہ کے ہاتھ کے تابندہ نقوش ہیں جس کا ہاتھ یقیناً اللہ کا ہاتھ ہے!

ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب وکار آفریں، کار کشاؤ کارساز

فضائل اعمال اور اس کے قابل صد احترام مصنف کے متعلق راقم سطور کے مذکورہ بالا حقیقت پر مبنی تاثرات کو ان کے فرزند مولانا محمد طلحہ کاندھلوی اپنے ایک مکتوب میں (جو چند

سال قبل اجتماع رائیونڈ (پاکستان) کے موقعہ پر وہاں کے اصحاب دعوت وتبلیغ کو بھیجا گیا تھا)
مختصر الفاظ میں اس طرح لکھتے ہیں!

"ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور مخصوص خدام سے سنا ہے کہ حضرت شیخؒ فضائل کے رسالوں کی تالیف کے دوران طہارت ظاہرہ کا اہتمام حد درجہ فرمایا کرتے تھے۔ اور جہاں تک طہارت باطنہ کا تعلق ہے تو یہ دیکھنے کی چیز نہیں۔

البتہ ان کتابوں کی محیر العقول حد تک مقبولیت اور عامۃ المسلمین کی زندگیوں میں ان کے حیرت انگیز اثرات سے صاف ظاہر ہے کہ ایسی مقبولیت ونافعیت کمال اخلاص کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی مکتوب کے آخر میں مولانا محمد طلحہ زید مجدہ فیصلہ کن انداز میں لکھتے ہیں کہ!

"حضرت شیخ اور مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن سبھی حضرات کے علم میں منتخب احادیث تھی، اگر اس پالیسی کے مطابق جس کا تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے آخری وقت میں کیا تھا کہ! "پالیسی طے ہو چکی ہے" اس کتاب کا بھی اجتماعی تعلیم میں پڑھنا ہوتا تو اس پر عمل ان حضرات کی زندگی میں ہو چکا ہوتا۔

اس لئے گذارش ہے کہ کسی کے اعتراض کی پرواہ کئے بغیر اس نصابی کتاب کو جوں کا توں باقی رکھیں۔ اس کی جانب سے بے اعتنائی تحریک تبلیغ کے لئے نقصان دہ ہوگی بلکہ اگر کسی طرف سے اس طرح کی بات معلوم ہو تو بروقت اس کا تدارک کرنے کی سعی کریں اسی میں انشاء اللہ خیر ہوگی اور اب تک کا تجربہ بھی یہی ہے۔"

راقم سطور نے دونوں کتابوں کے حوالہ سے یہاں تک جو کچھ لکھا ہے اس کا تعلق

ہمارے ملک ہندوستان سے تھا، پاکستان کا معاملہ اس لحاظ سے بالکل بدلا ہوا ہے اور دوسرے رخ پر ہے، وہاں کے ارباب حل وعقد اور مرکزی ارکان خاص کر رائیونڈ مرکز کے احباب شوریٰ نے اپنی بالغ نظری دور بینی اور سب سے بڑھ کر دعوتی اصول وضوابط پر اپنی مضبوط گرفت کی وجہ سے منتخب احادیث کی طباعت واشاعت کے اصلی پس منظر کو پہلے ہی دن دیکھ لیا اور سمجھ لیا تھا۔ چنانچہ وہاں دور ونزدیک اور ملک وبیرون ملک میں جانے والی تمام جماعتوں کو آج بھی صرف اور صرف فضائل اعمال پڑھنے پڑھانے کی تاکید اور اس کی ترغیب دی جاتی ہے۔

وہاں کے احباب شوریٰ اور ذمہ دار اصحاب اس کتاب کے حوالہ سے ہمیشہ متفکر اور متردد رہے ہیں اور وقتاً فوقتاً اس کی طرف متوجہ بھی کرتے رہے۔ چنانچہ جنوری ۲۰۱۵ء کے ہونے والے اجتماع ٹونگی میں بھی ان احباب کی جانب سے تحریری طور پر کتاب کے تعلق سے اپنی فکر کا اظہار کرتے ہوئے آٹھ نمبرات پر مشتمل ایک یادداشت سونپی گئی تھی۔ جس میں چھٹے نمبر پر اسی کتاب سے بہت سے ممالک میں جگہ جگہ اختلاف وانتشار کی بات کہی گئی ہے۔

راقم سطور کا دعوتی وجماعتی لحاظ سے پاکستان کا سب سے پہلا سفر آج سے چالیس سال قبل ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء کے اجتماع رائے ونڈ کے موقعہ پر ہوا تھا۔

اب یہ اللہ جل شانہ کا فضل واحسان ہے کہ اس طویل عرصہ میں (چند اجتماعات کو چھوڑ کر) تمام ہی اجتماعات میں یہ شرکت اپنے پہلے دور میں حضرت شیخؒ کی سرپرستی میں، دوسرے دور میں حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کے کفش بردار کی حیثیت سے اور تیسرے دور میں مولانا محمد زبیر الحسن مرحوم کی محبتوں وشفقتوں کے زور سے ہوتی رہی ہے۔

اپنے طبعی ذوق (یا زیادہ بہتر الفاظ میں مخدومنا حضرت شیخ کی عادت مبارکہ کے مطابق) ہر اجتماع کا کھلی آنکھوں مشاہدہ، ہر قسم کے مثبت ومنفی احوال وافکار کا مطالعہ،

رفیق اور دعوتی عمل کا ساتھی سمجھا ہے۔

اب وہاں کی اسی (۸۰) فیصد کامیاب قیادت میں حضرت جی ثالث کی اس عالی ظرفی، سیر چشمی اور وسعت قلبی کا کتنا عمل دخل ہے اس کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جن کو حضرت حق جل مجدہ کی بارگاہ سے داعیانہ صفت اور مومنانہ بصیرت عطا کی گئی ہے ورنہ تو ...!

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　　چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(۴) حجرہ متصل مسجد اور معاہدہ کی خلاف ورزی

مرکز تبلیغ دہلی میں مسجد سے ملحق تعمیر شدہ ایک حجرہ (کمرہ) دعوت و تبلیغ کی تاریخ کا چشم دید گواہ بنا چلا آرہا ہے۔ اس میں حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا محمد یوسف، حضرت مولانا محمد انعام الحسن اپنے اپنے دور امارت میں قیام فرماتے رہے ہیں۔

چنانچہ آغاز دعوت و تبلیغ سے اپنی وفات (رجب ۱۳۶۳ھ/ جولائی ۱۹۴۴ء تک) اٹھارہ سال بحیثیت حضرت جی اول مولانا محمد الیاس، ان کے بعد اپنی وفات (ذیقعدہ ۱۳۸۴ھ/ اپریل ۱۹۶۵ء تک) بائیس سال بحیثیت حضرت جی ثانی مولانا محمد یوسف صاحب اور ان کی وفات کے بعد (محرم ۱۴۱۶ھ/ جون ۱۹۹۵ء تک) تیس سال بحیثیت حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن صاحب کا مسلسل اور متواتر قیام اسی حجرہ میں رہا ہے۔

اس حجرہ کی چھت چونکہ کافی بلندی پر واقع ہے اس لئے مولانا محمد یوسف کے دور میں وہاں آگے کی جانب لکڑی اور تختوں کی ایک چھت بنا کر مولانا محمد یوسفؒ کے دار التصنیف سے اس کو موسوم کیا گیا اور مولانا محمد انعام الحسن کے دور میں اس کے تحتی حصہ میں پختہ لینٹر کی چھت ڈال کر اس کو ایک کمرہ کی شکل دے دی گئی۔

جناب الحاج بھائی محمد یوسف رنگ والے (کراچی) نے حضرت جی ثالث کے آرام و راحت کی غرض سے یہ کمرہ بنوایا تھا۔

مردان کار سے ملاقاتیں، جماعتوں میں نکلنے والے ملکی و غیر ملکی احباب کے گوشوارے اور ان گوشواروں میں ہر سال عددی لحاظ سے ہونے والے ترقیاتی اضافے، ملکوں کے مسائل اور عالمی مشاکل اور پھر اکابر تبلیغ کی طرف سے ان کی گرہ کشائی، نیز ہر طرح کی صحافتی اور غیر صحافتی رپورٹوں، تحریروں کو پڑھ کر ان کا تجزیہ و جائزہ اور پھر پوری احتیاط اور سلیقہ کے ساتھ اپنے روزنامچہ (ڈائری) میں ان کی تفصیلات کے اندراج سے شاید ہی کوئی سال یا کوئی اجتماع باقی رہ گیا ہو۔

اللہ مجھے معاف کرے اس ساری خودنمائی اور خود پسندی کے اظہار بلکہ "در مدح خود قصیدہ خوانی" کے بعد راقم سطور کو یہاں یہ لکھنے میں کوئی تامل نہیں ہے اور اگر کوئی صاحب اس سے اتفاق نہ کریں تو مجھے ان پر ذرا بھی اصرار نہیں ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں ہونے والے دعوتی و تبلیغی کام کی اسی (۸۰) فیصد کامیاب قیادت مخدومنا حضرت الحاج عبد الوہاب صاحب زید مجدہ کی نگرانی اور سرپرستی میں مرکز رائے ونڈ کے قدماء اور اصحاب مشورہ کے ذریعہ ہو رہی ہے اور اس کامیاب قیادت کی جڑیں اور بنیادیں مضبوط ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہاں وہ حضرات دعوت و تبلیغ کے اکابر اربعہ یعنی حضرت مولانا محمد الیاس، حضرت مولانا محمد زکریا، حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا محمد انعام الحسن رحمہم اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نقوش و خطوط پر ہوشمندی کے ساتھ ثابت قدم رہ کر البرکۃ مع اکابرکم جیسے اثر اور من کان مستنا فلیستن بمن قدمات فان الحی لاتؤمن علیہ الفتنہ جیسی حدیث نبوی کا لطف اور اس کی اثر انگیزی کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

یہاں پہنچ کر راقم سطور کو حضرت جی ثالث مولانا محمد انعام الحسن کا بے اختیار وہ ملفوظ یاد آ گیا جو ان کے زبان حق ترجمان سے متعدد مرتبہ سنا کہ!

"میں نے کبھی بھی اپنے آپ کو رائیونڈ والوں کا امیر نہیں سمجھا بلکہ ان کو ہمیشہ اپنا

مولانا محمد انعام الحسن کی وفات تک یہ حجرہ روزانہ صبح مشورہ کے لئے کھلتا تھا لیکن معلوم نہیں کہ یہ حبِ علی کا نتیجہ تھا یا بغضِ معاویہ کا اثر یا اور کوئی تیسری چیز (۱) کہ دیگر مطالبات کی طرح یہ مطالبہ بھی شدت سے اٹھایا گیا کہ ہمیں اس حجرہ کی ضرورت ہے لہٰذا ہمیں دیا جائے۔ اس مطالبہ میں روز بروز گرمی آتی چلی گئی اور مرکز کے بام و در اس گرمی کی تپش سے سرخ ہونے لگے اور پھر اس وقت کے اپنے انتہائی معتمد لیکن آج کے انتہائی غیر معتمد حضرات یعنی جناب بھائی فاروق احمد بنگلور، جناب ڈاکٹر ثناء اللہ علیگڑھ، جناب عبدالحفیظ منیار سورت جناب بھائی محمد خالد صدیقی علیگڑھ کو اس مسئلہ کے حل کے لئے ذریعہ اور واسطہ بنایا گیا۔

ان حضرات نے اندرونی خلفشار و انتشار ختم کرنے کی تدبیر کے طور پر مؤرخہ ۱۰ر صفر ۱۴۱۷ھ/ ۲۷ر جون ۱۹۹۶ء جمعرات میں اپنی ایک اجتماعی مجلس منعقد کر کے ان مسائل و معاملات پر کھل کر گفتگو کی۔

راقم سطور کے روزنامچہ کے مطابق یہ باہمی مشورہ صاحبزادہ صاحب کے کمرہ نمبر ایک میں ہوا تھا اور اس میں مرکز سے متعلق مختلف مسائل جیسے حضرت جی کا حجرہ اور مولانا زبیر صاحب کی ۱۱ر بجے والی صبح کی دعا سے یہ مجلس شروع ہوئی اور پھر طویل گفتگو مختلف موضوعات پر چلتی رہی۔

آج کی مجلس میں طے ہوا کہ جب تک حجرہ کی تحقیق نہ ہو جائے کہ یہ وراثت ہے یا مسجد میں داخل ہے، اس وقت تک اس کی تین تالیاں بنوا کر مولانا انظار الحسن مولانا زبیر الحسن اور مولوی سعد کو ایک ایک دے دی جائے اور صبح کا مشورہ اس میں ہوتا رہے اور یہ بھی طے

(۱) اس تیسری چیز میں یہ خوشنما تخیل اور یہ خوش فہمی بھی شامل تھی کہ یہ حجرہ آج تک امرائے تبلیغ کے قیام کے لئے مخصوص رہا ہے، اس لئے جو بھی اس حجرہ (کمرہ) میں رہے گا وہ پوری امت کا امیر ہوگا اور جو پوری امت کا امیر ہوگا وہ اس حجرہ میں رہے گا۔

ہوا کہ اوپر دو چھتی میں جس کی کتابیں ہیں وہ لے لیں۔

اس مشورہ کی اطلاع کا تب سطور کو سہارنپور میں جمعرات کی شام ۵ر بجے ہوئی اور مولانا زبیر مرحوم کا پیغام ملا کہ تم دہلی آجاؤ، چنانچہ یہ احقر جمعہ کی صبح بذریعہ بس روانہ ہو کر نماز جمعہ شاہدرہ میں پڑھ کر ۳ر بجے دہلی مرکز پہنچا، اور اسی دن یعنی ۱۱ر صفر جمعہ کو حجرہ کھولا گیا اور پہلی مرتبہ اس میں مشورہ ہوا اور پورے ۴۵ر دن بعد اسی حجرہ شریفہ میں مولانا انظار الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی۔

۱۷ر صفر ۱۴۱۷ھ/ ۳ر جولائی ۱۹۹۶ء میں مجلس شوریٰ کے پانچ حضرات نے اندرونی اور بیرونی عوامل کی تیار کردہ گرما گرم فضا میں باہمی گفت و شنید اور اتفاق رائے سے اس مسئلہ کشمیر یا قضیہ فلسطین کو نمٹانے کے لئے جو امور طے کئے ان کو اپنی ایک تحریر میں ان الفاظ کے ساتھ مرتب کر کے متعلقہ افراد کے حوالہ کر دیا۔

یادداشت

آج بتاریخ ۱۷ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ/ ۳ر جولائی ۱۹۹۶ء بروز جمعرات شوریٰ کے پانچوں حضرات مولانا محمد انظار الحسن صاحب، مولانا محمد عمر صاحب، میاں جی محراب صاحب، مولانا محمد زبیر الحسن صاحب اور مولوی محمد سعد صاحب نے مندرجہ ذیل امور مشورہ سے طے فرمائے۔

۱۔ مسجد کی امامت اور بعد مغرب دعا مولوی محمد سعد صاحب کیا کریں گے۔ جماعتوں کی روانگی کی دعا اور مصافحہ مولانا محمد زبیر الحسن صاحب کیا کریں گے۔

۲۔ مسجد سے متصل حجرہ جس میں بڑے حضرت جی مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا قیام رہا اس کے بارے میں طے پایا کہ جلد از جلد تحقیق کر لی جائے کہ اس حجرہ کی نوعیت کیا ہے آیا یہ مسجد سے متعلق ہے یا زنانہ مکان میں شامل ہے؟

۳۔ درست اس حجرہ کا استعمال یہ طے پایا کہ شوریٰ کے پانچوں حضرات روزانہ ۹ر بجے

صبح کا مشورہ اس میں کیا کریں گے۔ مشورہ کے بعد یہ کمرہ بند کردیا جایا کرے گا۔ حجرہ کی ایک کنجی مولانا اظہار الحسن صاحب مولانا محمد زبیر الحسن صاحب اور مولوی محمد سعد صاحب کے پاس رہا کرے گی۔

۳۔ اس حجرہ کی دوچھتی میں حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی جو کتابیں ہیں وہ مولوی محمد سعد صاحب لے سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کی جو کتابیں اور الماریاں ہیں نیز باہر جو سامان ہے وہ مولانا زبیر الحسن صاحب لے سکتے ہیں اور جو کتابیں مدرسہ کاشف العلوم کی ہیں وہ اس میں داخل کردی جائیں۔

۴۔ گھر کی خواتین بروز جمعہ صلاۃ التسبیح اور جمعہ کی نماز میں شامل ہونے کے لئے اس حجرہ میں آتی ہیں اس بارے میں طے پایا کہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

۵۔ یہ تحریر آج ۱۹ر صفر المظفر ۱۴۱۷ھ بروز ہفتہ حضرات شوریٰ کو سنادی گئی اور ان کے ارشاد سے بطور یادداشت لکھ دی گئی۔

۶۔ اس مشورہ میں عبد الحفیظ ضیاء، فاروق احمد، ڈاکٹر ثناء اللہ، محمد عثمان علی خاں اور محمد خالد صدیقی موجود تھے۔ یہ بھی طے پایا کہ یہی لوگ تمام ضروری کاغذات فراہم کرکے حضرات شوریٰ کے سامنے پیش کردیں۔

فقط محمد عثمان علی خاں

اس مشورہ میں مذکورہ پانچ حضرات نے مسئلہ انخلاء کی نزاکت وخطرات کے پیش نظر مکان، مسجد اور حجرے سے متعلق زمینی اور ملکیتی حقائق معلوم کرنے کے لئے بڑی جدوجہد کی۔ متعدد مرتبہ دفتر وقف بورڈ دہلی جاکر قدیم کاغذات اور فائلوں کا مطالعہ کیا۔ قدیم وجدید [illegible] پڑھے۔ زنانہ مکان کا ایک نقشہ تیار کیا گیا۔ جس کے لئے جناب فصیح الدین قاضی، حسین احمد دہلوی اور جناب الحاج محمد شفیع سے بار بار مراجعت کی گئی اور اس کے نتیجہ میں ایک جامع صحافتی رپورٹ ۸ر ربیع الاول ۱۴۱۷ھ / ۲۵ر جولائی ۱۹۹۶ء میں مرتب کرکے اراکین شوریٰ کی خدمات میں پیش کردی گئی۔

مورخہ ۱۷ر صفر ۱۴۱۷ھ / ۴ر جولائی ۱۹۹۶ء میں مجلس شوریٰ کے پانچوں حضرات کی طرف سے ہونے والے اس تحریری معاہدہ کی روشنائی ابھی خشک بھی نہیں ہو پائی تھی اور معاہدہ کو تحریری شکل دینے والوں نے ابھی اطمینان وسکون کا سانس بھی نہیں لیا تھا کہ عہد شکنی کی نئی نئی شکلیں سامنے آنے لگیں۔

☆ چنانچہ کچھ عرصہ بعد یہاں مستورات کو نماز تراویح ادا کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ جس کا سلسلہ کم وبیش چالیس سال سے حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا انعام الحسن کے زمانہ سے متواتر چلا آرہا تھا۔

☆ نیز اسی ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں جب مولانا زبیر مرحوم اعتکاف کے لئے مسجد میں بیٹھ گئے تو یہ حکم بھی نافذ کردیا گیا کہ اس حجرہ سے گزر کر مولانا مرحوم کے زنانہ مکان میں آنے جانے اور وہاں سے سحری اور افطاری لانے لے جانے پر پابندی ہے۔

چنانچہ عزیزان مولوی زبیر، مصہیب وخبیب وغیرہ آخری عشرہ میں گھر سے مسجد اور پھر مسجد کا صحن عبور کرکے مولانا مرحوم کے معتکف میں تمام کھانا پینا اور اس کے لوازمات لاتے اور واپس لے جاتے رہے۔

☆ اس کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن کا تمام سامان اور کتابیں اپنے معتقدین کے ذریعہ حجرہ کی دوچھتی سے نکلوا کر مولانا زبیر مرحوم کے کمرہ میں بھجوادیں۔

خدام بارگاہ جب بغیر کسی اطلاع کے سامان اور کتابیں لے کر اچانک مولانا مرحوم کے کمرہ میں پہنچے تو وہ حیران ہوگئے اور ان پر شدید تاثر ہوا لیکن اپنی عادت اور معمول کے مطابق صبر کرکے خاموش رہے۔

☆ اس زمانہ میں صاحبزادہ صاحب پر اندرونی وبیرونی عوامل واسباب کی وجہ سے کچھ ایسا لاؤ قوت سوار تھا کہ مذکورہ واقعہ کے کچھ ہی دن بعد کھانے کے دسترخوان پر جب کہ بہت سے خواص بھی موجود تھے۔ انہوں نے مولانا مرحوم سے حاکمانہ اقتدار کے لہجے

[illegible] سے اندر ہی اندر [illegible]

[illegible] کچھ دخل کیا تو [illegible]

[illegible]

[illegible] مولانا محمد منظور [illegible]

[illegible] پروفیسر [illegible] صاحب [illegible] کے ساتھ

[illegible] مشورہ [illegible]

(۵) ایک نئی مجلس شوریٰ کا قیام اور اس کا انجام

[illegible] اس کی اہمیت اور [illegible]

[illegible] کے مطابق [illegible]

[illegible] ایک [illegible]

[illegible] ایک سال گزر جانے [illegible]

[illegible] مجلس شوریٰ [illegible]

☆ مولانا محمد منظور [illegible] ☆ جناب الحاج [illegible] ☆ مولانا محمد [illegible]

[illegible] ☆ مولانا [illegible] ☆ مولانا [illegible]

☆ جناب الحاج [illegible] ☆ جناب پروفیسر [illegible] ☆ جناب پروفیسر [illegible]

[illegible]

(۱) یہ مجلس شوریٰ [illegible] صاحب [illegible]

[illegible]

(۲) [illegible] مجلس شوریٰ میں [illegible] مرکز کے انتظامی امور و معاملات [illegible]

[illegible] فیصلہ ہوگا۔

(۳) [illegible] معاملات میں [illegible]

[illegible] فیصلہ ہوگا۔

(۴) تمام امور پر فیصلے اجتماعیت یا اکثریت کی بنیاد پر ہوں گے۔

(۵) دعوتی امور کے وہ معاملات جن میں آپس میں اختلاف رائے ہو اس مجلس میں بحث و گفتگو کے لئے آئیں گے پھر یہ مجلس اپنا فیصلہ ہر دو حضرات کے گوش گذار کرے گی لیکن اگر مجلس کا یہ فیصلہ کسی کو قبول نہ ہو تو اس وقت تک اس عمل کو موخر رکھا جائے گا جب تک کہ دونوں حضرات میں اتفاق رائے نہ ہو جائے۔ (فقط)

ابتدائی پانچ ماہ میں ان حضرات نے بڑی گرمجوشی اور دلسوزی کے ساتھ اپنی چار مجالس مختلف معاملات و مسائل پر غور کرنے کے لئے منعقد کیں۔

پہلی مجلس شوری (منعقدہ ۳۰ رجب ۱۴۲۵ھ/ ۱۶ ستمبر ۲۰۰۴ء، جمعرات) کے بعد دوسری مجلس کے انعقاد سے قبل مولانا زبیر مرحوم نے اس شوریٰ کے قیام پر اپنے اطمینان و مسرت اور بڑوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کام کے تحفظ و بقا کے لئے اپنے اندرونی جذبات اور دلی احساسات کے اظہار کے لئے جن الفاظ کا سہارا لے کر ان کو تین مکتوبات کی شکل میں اراکین شوری کو پیش کیا وہ دعوت و تبلیغ کی اسی سالہ تاریخ میں ایک سنگ میل اور شب تاریک میں ایک قندیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کا مکمل متن پیش کیا جاتا ہے!

پہلا خط

مکرمان محترمان بندہ .... زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے دعوتی معاملات و مسائل کو سلجھانے کے لئے یہ جو ایک تدبیر و کوشش مجلس شوری کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ اللہ رب العزت اس کو ہم سب کے لئے اور مرکز کے لئے باعث خیر فرمائے اور ابواب خیر کے مفتوح ہونے اور ابواب شر کے بند ہونے کا اس کو ذریعہ فرمائے۔ آمین

۳۲

اس دوسرے اجلاس میں رکھنے کے لئے بندہ کے ذہن میں چند مسائل ہیں امید ہے کہ ان پر غور و فکر ہوگا۔

(۱) عزیزم مولوی سعد سلمہ نے اپنے طور پر جو فہرست شرکاء آپ حضرات کو دی تھی اس میں مولانا احمد لاٹ صاحب کا نام بھی تھا مگر پہلی شوریٰ میں عین وقت پر مجھے بتلایا گیا کہ ان کا نام اب نہیں ہے۔

مجھے اس اطلاع سے تعجب ہوا۔ مولوی (احمد لاٹ) صاحب موصوف قدماء میں سے ہیں دعوت و تبلیغ اور مرکز کے مقیمین میں صاحب بصیرت افراد میں ہیں۔ والد ماجد مرحوم ان کی تقاریر سے نہ صرف مطمئن تھے بلکہ ان کو موثر سمجھتے تھے۔

اس لئے بندہ کی رائے میں آپ حضرات ان کو اپنی اس شوری میں ضرور لے لیں۔ انشاء اللہ عالمی سطح سے بھی مفید ہوگا۔

(۲) بندہ نے اپنے گذشتہ عریضہ میں لکھا تھا کہ ہم میں اپنے بڑوں کے اعتبار سے نہ وہ جذبہ ہے اور نہ وہ قربانی اور اخلاص ہے اس لئے کوشش اس کی کرنی ہے کہ بس ان ہی کے نقش قدم پر چلتے رہیں خواہ وہ دعوت کے مسائل ہوں یا مرکز کے معاملات۔ اس میں انشاء اللہ فتنوں سے بھی حفاظت ہے اور لوگوں کے طعن و تشنیع سے بھی بچاؤ ہے۔ فقط

پانچویں مجلس جو ۲۷/۲۸/۲۹ نومبر ۲۰۰۴ء/ ۱۳/۱۴/۱۵ شوال ۱۴۲۵ھ میں منعقد کی گئی تھی۔ اس میں بحث و گفتگو کے لئے ان حضرات نے ضروری سمجھا کہ مولانا زبیر مرحوم سے بھی باہری حجرہ اور خانگی معاملات (خصوصاً رہائشی مکان کی تقسیم) پر ان کے جذبات و احساسات معلوم کر لئے جائیں۔ چنانچہ انعقاد مجلس سے کم و بیش دو ماہ قبل ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۴ء/ ۶ شعبان ۱۴۲۵ھ میں ارکان شوری کی جانب سے جناب الحاج سلمان بیگ

مرحوم نے مولانا زبیر مرحوم کو ایک مکتوب بھیج کر ان کے خیالات واحساسات یا بالفاظ دیگر مسائل ومشاکل دریافت کئے۔ اس پر مولانا مرحوم نے اس ذیلی شوریٰ کو یہ مکتوب تحریر کیا:

دوسرا خط

مکرمان محترمان بندہ ——— زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے

آپ حضرات کے گذشتہ اجلاس شوریٰ میں زنانہ مکان کے متعلق جو امور زیر گفتگو آئے ان کے تعلق سے جناب بھائی سلمان بیگ صاحب کا ایک مکتوب محررہ ۹ر اکتوبر ۲۰۰۷ء مع تحریر عزیز مولوی سعد سلمہ مجھے دستی موصول ہوا۔

میں نے سابقہ خط میں کام اور اس کے نہج کی حفاظت سے متعلق ایک تحریر ارسال کی تھی جو یقیناً ملاحظہ سے گذری ہوگی۔

میرے حاشیۂ خیال میں بھی یہ بات نہیں ہے کہ اجتماعی کام کے مقابلہ میں شخصی اور انفرادی کام کو اہمیت دی جائے۔ اس لئے کہ یہ مجلس شوریٰ صرف اس لئے نہیں بنی کہ میرے یا عزیز مولوی سعد سلمہ کے مکان کا مسئلہ حل کردے اور پھر اس کی چھٹی کردی جائے بلکہ اس کا اصل کام یہ ہے کہ ان جملہ بے عنوانیوں پر نگاہ رکھے جس سے دعوت کا یہ عالمی کام متاثر ہو رہا ہے اور دنیا بھر میں ہمارے مرکز (نظام الدین) کی سبکی ہو رہی ہے اور کام دو "رخ" پر جا رہا ہے جن میں ایک رخ ہمارے قدیم اکابر کا ہے اور دوسرا رخ جدید اکابر کا ہے۔

فی الوقت میرا خیال یہ ہے کہ آپ حضرات گذشتہ بے عنوانیوں کی اصلاح کی فکر فرماتے ہوئے آئندہ اقدامات فرمائیں۔

مثلاً باہر کے حجرہ کا مسئلہ ہے تقریباً دس بارہ افراد (بشمول مولانا اظہار الحسن

صاحب و عزیز مولوی سعد و بندہ زبیر الحسن) کے دستخطوں سے ایک تحریر مرتب ہوکر جو کچھ اس حجرہ سے متعلق طے ہوا تھا اب اس کے بالکل خلاف اور منافی عمل ہو رہا ہے۔ لیکن دستخط کنندگان حضرات جن میں سے بعض اس وقت شوریٰ میں بھی موجود ہیں اس بے اصولی اور بے عنوانی کو روک نہیں سکے۔ یہاں تک کہ مجھے ایک بہت مختصر سے زبانی اور تہدیدی نوٹس پر اپنا تمام سامان وہاں (حجرہ) سے نکالنا پڑا۔ دو چھتی میں سے والد ماجد مرحوم کا تمام سامان اور ان کی کتابیں واپس لینی پڑیں کہ عزیز موصوف سلمہ نے اوپر سے تمام سامان اور کتابیں اپنے ۲؍۳ خدام کے ذریعہ اٹھوا کر نیچے حجرہ میں رکھوا دیں اور مجھے اطلاع بھجوادی کہ اپنا سامان اٹھوالیں۔

بندہ نے اس جبری حکم کے آگے کچھ بولنا مناسب نہیں سمجھا اور خاموشی سے سب سامان اٹھوالیا۔

کچھ دن گذرنے کے بعد انہوں نے دوپہر کے کھانے پر مجھے امر فرمایا کہ حجرہ میں بیت الخلاء بنتا ہے لہٰذا وہاں (والد صاحب مرحوم کی) جو الماریاں کھڑی ہیں ان کو نکلوانا ہے۔ بندہ نے کچھ تامل کیا تو وہ دسترخوان پر ہی ناراض ہو گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ (الماریوں کی) تالیاں فوراً مل جائیں یہ کام ابھی اور اسی وقت ہوگا۔

بندہ نے حالات اور مصلحت اور مرکز کی رسوائی کو دیکھتے ہوئے کھانے کے بعد ان کی خدمت میں تالیاں بھیج دی تھیں۔

حضرات اہل شوریٰ کو میں یہ بھی بتلانا چاہتا ہوں کہ اوپر دو چھتی کے دو حصے ہیں پشت کی جانب کا پختہ حصہ (کمرہ) والد ماجد مرحوم کی علالت اور یکسوئی کے پیش نظر بھائی یوسف رنگ والوں نے تیار کرایا تھا لیکن وہ بھی اسی حکم شاہی کی نذر ہو گیا۔

مجھے رہ رہ کر یہ احساس ہے اور اس احساس سے کلفت ہے کہ اگر حجرہ کے

متعلق طے شدہ تحریر پر عمل ہو جاتا تو بندہ مسجد کی جماعت سے محروم نہ رہتا۔ اب مجھے گذشتہ دس سال سے خارج مسجد نماز ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اپنی معذوری کی وجہ سے ہر روز پر ہر نماز میں وہاں جانے اور ہٹو بچو کر کے راستہ بنانے میں بھی شرم آتی ہے۔ اس لئے بندہ کی گذارش ہے کہ ان مسائل اور معاملات کو حل کر لیا جائے، جن میں طے شدہ ہونے کے باوجود خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ فقط

اس مذکورہ تحریر کے ساتھ ساتھ ارکان شوریٰ کی خواہش پر مولانا مرحوم نے مرکز کے اندرونی احوال اور دعوتی عمل سے متعلق بعض خطرات کی نشان دہی کرتے ہوئے تیسرا مکتوب اور بھی ارسال کیا تھا۔

اس مرحوم شوریٰ کے آخری پانچویں اجلاس میں (جو انتہائی گرما گرمی کے ماحول میں ہوا تھا) مولانا زبیر مرحوم کی جانب سے پڑھی جانے والی حقائق اور واقعات سے بھرپور یہ تیسری تحریر ان کی مظلومیت کی داستان ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے بلا خوف لومة لائم کلمہ حق کہنے کی ایک مضبوط اور موثر شہادت بھی ہے اور ان کو ایک بڑے باپ کے بڑے بیٹے ہونے کی حیثیت سے یہی کرنا چاہئے تھا۔ (۱)

---

(۱) اور اس بڑے باپ کی جواں ہمتی اور کلمہ حق کو بہت دور تک پہنچانے کا یہ عالم تھا کہ ۱۹۷۷ء کی خون آشام ایمرجنسی میں وقت اور حکومت کی سختی اور خطرات کے تمام تر احساس کے باوجود ایمانی غیرت اور حمیت کا حق ادا کرتے ہوئے محترمہ اندرا گاندھی صاحبہ کو ان کے ایک پیغام کے جواب میں قبولیت اسلام کی دعوت دے دی تھی۔

حضرت شیخؒ اس وقت مدینہ طیبہ مقیم تھے۔ آپ کے علم میں جب اس دعوت کی تفصیلات آ گئیں تو آپ نے اپنے مکتوب (محررہ ۱۶ اپریل ۱۹۷۷ء میں) حضرت جی والدؒ کو ان کی خدمت میں یہ کلمات تحسین و تحریک تحریر فرمائے کہ:

"آپ کا جواب بہت ہی اہم ہے اللہ جل شانہٗ آپ کو بہت ہی بلند درجہ عطا فرمائے۔ آپ نے تبلیغ کا حق ادا کر دیا۔ میں نے اپنے آپ کو بہت ٹٹولا اور بہت ہی ندامت ہوئی کہ میں تو اس جواب کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔"

تیسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت حاجی رحمت اللہ صاحب زاد مجدہ کا پیغام ملا کہ بندہ آپ حضرات کی اس مجلس شوریٰ میں پیش کرنے کے لئے کچھ مسائل لکھ کر دے اور جو چیزیں قابل اصلاح ہیں ان کی فہرست مرتب کرے۔

(۱) بندہ کی نگاہ میں والد ماجد حضرت جی (مولانا انعام الحسنؒ) کے بعد مرکز کا سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس دعوتی کام کی حفاظت کس طرح ہو اور کیسے اس کام کو اسی نہج پر باقی رکھا جائے جس پر ہمارے بڑے ہم کو ڈال کر گئے ہیں۔

آپ سب حضرات اس چیز سے بخوبی واقف ہیں کہ مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم کا جو طریقہ اس دعوتی کام کا تھا اسی پر والد ماجد مرحوم آخر دم تک قائم رہے جس کی برکت سے کام سارے عالم میں ایک ہی طرز و فکر پر رہا لیکن اب ہماری شامت اعمال سے یہ بات ختم ہوتی جا رہی ہے اور ہر جگہ مختلف ذہن بن رہے ہیں جن سے کام میں نقصان اور ضعف آ رہا ہے، مردوں کا کام بھی متاثر ہو رہا ہے اور مستورات کا بھی۔ پرانوں میں بھی دو ذہن ہو رہے ہیں۔

آپ حضرات اس کام کے نہج اور طریقہ کار سے خوب واقف ہیں۔ نبوی طرز اور طریقہ اسلاف یہ اس کام کی جان ہے اور ہمارے مرحوم حضرات اسی طرز پر کام کر کے گئے ہیں۔ اس لئے البرکة مع اکابرکم کے اصول پر ہمیں ہر حال میں اسی نہج کو قائم دائم رکھنے کی بھرپور جدوجہد کرنی چاہئے۔ اگر خدانخواستہ یہ مبارک طریقہ عمل ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور نئی نئی شکلیں سامنے آتی چلی گئیں تو پھر اس کا کہیں اختتام نہیں ہوگا۔

اس لئے میں تو یہی عرض کروں گا کہ یہ مجلس شوریٰ کام کے تقاضوں اور اس

کے اصول و ضوابط کو سامنے رکھے اور یہ سوچے کہ ہم اپنے اکابر کے نقش قدم سے اگر تھوڑا سا بھی ہٹے تو اس میں صرف ہمارا ہی نقصان نہیں بلکہ پوری امت کا نقصان ہے اور کام کا بھی نقصان ہے۔ اللہ جل شانہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین

(۲) اس کے ساتھ ساتھ آپس کا جوڑ بھی بہت قیمتی دولت ہے۔ رائے کا اختلاف کوئی معیوب چیز نہیں، لیکن شیطان بھی اس راہ سے بہت دھوکہ دیتا ہے کہ میری رائے ٹھیک ہے باقی سب غلط ہے۔ یہ چیز ہمارے اندر کی اجتماعیت کو ختم کر رہی ہے اللہ جل شانہ اپنا فضل فرمائے اور ہمیں کام کی قدر اور اس کی استعداد عطا فرمائے۔

ہمارے اکابر نے بڑوں جیسی فکر ہے اور ان کی جیسی قربانی ہے اس لئے اب تو ان کے بتلائے ہوئے اصول ہی ہمارے لئے اور اس کام کے لئے رہنما ہیں۔

(۳) کام کے اعتبار سے اور اپنے مرکز کی چہار دیواری کے اعتبار سے جو مسائل اور مشکلات ہیں ان کا بخوبی علم آپ سب حضرات کو بھی ہے، بندہ کی نگاہ میں ان سب کا حل صرف اور صرف یہ ہے کہ ہم اپنی سمجھ بوجھ کو اپنے بڑوں کی سمجھ بوجھ کے تابع کر دیں اور یہ دیکھ لیا کریں کہ بڑوں کی ترتیب کیا رہی اور انہوں نے ایسے موقع پر کام کو اور اگلی نزاکتوں کو کیسے سنبھالا۔ نہ یہ کہ ہم ان کی اور ان کے کام کی تنقید و تنقیص کر کے اس کی اصلاح شروع کر دیں۔ اگر خدانخواستہ ہماری یہ سوچ رہی تو بڑے نقصانات کا اندیشہ ہے۔

(نوٹ) بندہ نے مذکورہ بالا تحریر لکھ کر اراکین مجلس شوریٰ کو بھیج دی تھی اس کو ملاحظہ کر کے ان حضرات نے یہ رائے دی کہ اس میں ایسے چند مسائل اور مشکلات کا اضافہ ضروری ہے جن پر مجلس شوریٰ غور کر سکے۔ اس لئے عرض ہے کہ:

(۱) بندہ کے نزدیک منتخب احادیث کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ ہمارے کام کرنے والے اس کی وجہ سے بہت متفکر ہیں۔ مختلف زبانوں میں بغیر کسی مشورہ کے اس کے تراجم

۳۵

کروا دیئے ہیں اور اب تو کوشش اس کی ہو رہی ہے کہ وہ اب ان حلقوں اور تعلیم کے حلقوں میں اس طرح پڑھی جائے، جیسے کہ فضائل اعمال پڑھی جاتی ہے۔ کثرت سے خطوط میں اور زبانی کارکنان اس کے پڑھنے اور نہ پڑھنے کے متعلق سوالات کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے بہت انتشار ہے۔ خود ہمارے یہاں گھر میں بلا کسی مشورہ اور اتفاقی رائے کے اس کو شروع کر دیا گیا۔

اراکین شوریٰ کے علم میں یہ بات آ جانی چاہئے کہ منتخب احادیث کی طرح خود حضرت والد ماجد مرحوم کی ایک کتاب الاجوبۃ المنتخبۃ من المشکوۃ ہے جو انہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے حکم سے مرتب کی تھی لیکن بندہ کو آج تک بھی اس کا خیال نہیں آیا کہ ساری دنیا میں اس کے ترجمے کرا کر اس کو عمومی تعلیم کی کتاب بنا دوں کیونکہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ اگر یہ سلسلہ چل نکلا تو اس کو روکنا مشکل ہو جائے گا۔

اس لئے بندہ کی قطعی رائے ہے کہ عمومی تعلیم صرف فضائل اعمال کی ہی ہونا ضروری ہے جیسا کہ ستر سال سے ہوتی آ رہی ہے۔ انفرادی مطالعہ میں چاہے جتنا اس کو پڑھا جائے۔

(۲) زنانہ مکان کے متعلق بندہ زبانی بھی عرض کر چکا کہ باہر کا مردانہ حجرہ (ایک اتفاقی تجویز کے خلاف) مولوی سعد سلمہ لے چکے ہیں اور والد ماجد مرحوم کا تمام سامان اور کتابیں وغیرہ وہاں سے نکلوا چکے ہیں پھر اندر کے مکان پر ان کو اصرار کیوں ہے؟ پہلے ہمارے متعلق تجویز پڑھ لی جائے جس پر سب کے دستخط بھی ہیں، اس پر غور فرمائیں کہ وہاں اتفاقی فیصلہ کے خلاف کیوں عمل ہوا؟

نیز اراکین شوریٰ زنانہ مکان کا بھی جائزہ لے لیں اور پیمائش کر لیں کہ کس کے پاس کتنا حصہ ہے اور کس کے پاس کتنے کمرے ہیں اور اس کی ضرورت کتنی ہے۔

اس کے علاوہ مکان کے مسئلہ میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس کی حق ملکیت کس کی ہے اگر وہ عزیز موصوف کی ہے تو وہ شرعاً ان کا حق ہے، میں اس حق سے انکار نہیں

کر سکتا ہوں اگر ان کی حیثیت نہیں ہے تو پھر فضول امور ترک کر دیں۔

باہر کے حجرہ کے متعلق مجھے اس کا بہت احساس ہے کہ اگر فیصلہ پر عمل ہوتا تو مجھے مسجد کی باجماعت نمازیں مل سکتی تھیں لیکن اب معذوری کی وجہ سے اپنے حجرہ کے پاس ہی پڑھنی پڑتی ہے۔

(۳) ایک گذارش یہ ہے کہ مسجد والا کام بہت اہم ہے لہٰذا اس میں کوئی اضافہ و استقبال کی جماعت یا کسی بھی شکل میں ایسا اضافہ جو بڑوں کے زمانہ میں نہ ہوا ہو بالکل غیر مناسب اور کام کے لئے مضر ہے۔ اس پر ضرور غور فرمایا جائے۔

(۴) بندہ کی ایک رائے یہ بھی ہے کہ منتظمین مرکز سے ہر ایک سے ان کی صلاحیت اور استعداد کے موافق کام لیا جائے اپنے اعتبار سے نہ ان کو جانچا جائے اور بنگلہ والی کے احباب کا زیادہ سے زیادہ قیام یہاں ہونا چاہئے تاکہ مرکز کی ضروریات بھی پوری ہوتی رہیں اور مشکلات بھی حل ہوتی رہیں۔ فقط والسلام

بندہ محمد زبیر الحسن کاندھلوی

راقم سطور کو اگر دعوتی و تبلیغی احباب معاف فرمادیں تو یہ عرض کرنے کی جرأت کروں کہ آپ حضرات کو اس کام کے نہج، منہج اور اکابر کے طریقہ پر اس کو باقی رکھنے کا ذاتی شدت اور قوت کے ساتھ داعیہ اور اس کے لئے میدان عمل میں اترنے کا تقاضہ مولانا زبیر الحسن مرحوم کے حادثہ وفات کے بعد پیدا ہوا لیکن مولانا مرحوم کی یہ تحریرات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ مرحوم کی آنکھیں بہت دور تک دیکھ رہی تھیں اور وہ اپنی زندگی میں ہی اس کام کو اکابر کے طریقہ پر قائم و باقی رکھنے کے لئے اس کا داعیہ و تقاضا اپنے دل و دماغ میں موجزن پا رہے تھے اور یہ یقیناً شیخین جلیلین (حضرت مولانا محمد زکریا شیخ الحدیث اور مولانا محمد انعام الحسن حضرت جی ثالث) کی حسن تربیت اور ان کے جوتے سیدھے کرنے کی برکت اور اس کے اثرات و ثمرات تھے۔

یہاں بے اختیار علامہ حالی کا ایک شعر نوک قلم پر آ گیا آپ بھی پڑھ لیں:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

اس ذیلی مجلس شوریٰ کی یہ پانچویں آخری نشست تھی اور اس کا خاتمہ اس وقت ہو گیا جب اس مجلس میں موجود سب سے کم عمر رکن شوریٰ نے جس کے تئیں ابھی اوائل میں اصول و ضوابط اور اس کے آداب کو سامنے رکھ کر نہیں لگے تھے سب سے معمر و قدیم بزرگ شیخ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یہاں تک کہہ دیا:

"تم کیا جانو کام کو، کام کو تو میں لے کر چل رہا ہوں۔"

لیکن سچی اور خداگتی بات یہ ہے کہ نومبر ۲۰۱۵ء کے اجتماع رائیونڈ میں عالمی شوریٰ کی تشکیل اور بین الاقوامی سطح پر اس کا استقبال و پذیرائی اور پھر (ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ) اجتماع رائیونڈ (نومبر ۲۰۱۶ء) نے ساری دنیا کو واضح لفظوں میں یہ پیغام دے دیا کہ کوئی بھی شخص اس دعوتی کام کو لے کر نہیں چل رہا ہے بلکہ کام ہی سب کو لے کر چل رہا ہے۔

کاتب سطور مرکز تبلیغ کے بہت سے اندرونی و بیرونی احوال اور داخلی و خارجی معاملات سے واقف رہا ہے اور وہاں کے متعدد چشم دید اور رونما ہونے والے واقعات کو تو اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ہوئے ہیں اور بہت کچھ حضرت شیخ کے روزنامچوں، نجی تحریروں اور خطوط کے ذخیروں سے علم میں آئے ہوئے ہیں۔ خاص طور سے ایک مخصوص علاقہ کی خصوصیت و ذہنیت رکھنے والوں کے وہ احوال و واقعات جو حضرت مولانا محمد یوسف کے بعد وہاں رونما ہوئے اور جن کی روک تھام کے لئے مخدوما حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نے اپنی روحانی قوت، ایمانی فراست اور مومنانہ بصیرت سے سد سکندری کھڑی کر دی تھی۔

ان وجوہات سے کاتب سطور کی شدید خواہش بلکہ کوشش رہی کہ یہ مجلس شوریٰ مضبوط اور پائیدار شکل اختیار کرے تو اس کے ذریعہ بہت سے فتنوں کے سوراخ بند کئے

جاسکتے ہیں۔ اور بہت سے ایسے حملوں کا دفاع کیا جاسکتا ہے جو مرکز کی اس چہار دیواری میں کودنے اور پھاندنے کے لئے اپنے پر تول رہے ہیں اور اس کی عظمت و سالمیت کو شدید نقصانات مستقبل میں پہنچاسکتے ہیں۔ لیکن قدر اللہ ماشاء۔

مذکورہ بالا فکر و سوچ کے پیش نظر اس مجلس شوریٰ کے قیام کے لئے وقت وقت پر جو کوششیں راقم سطور کی جانب سے ہوئیں ان کے متعدد اندراج اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ روزنامچہ میں مذکور ہیں۔ اب اگر کوئی شخص اس کو فساد سمجھتا ہے تو میرے شیخ کے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد مہاجر مدنی کے الفاظ میں "میری پاپوش سے"۔

یہاں بلا خوف لومۃ لائم بطور نمونہ پہلا اور آخری اندراج اس یقین کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ کسی کا بھی سب وشتم نہ حق کو دبا سکتا ہے اور نہ اس کو کچل سکتا ہے اور نہ ہی وقتی اچھل کود کوئی دائمی چمک اور مضبوطی دے سکتی ہے۔

ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ کے پہلے عشرہ میں جناب الحاج رحمت اللہ بخاری سے اس ذیلی شوریٰ کے بارے میں چند ضروری مشورے پہلے سے متعین تھے، لیکن انہی ایام میں مظاہر علوم کے حوالہ سے لکھنؤ اور الہ آباد کا ضروری سفر سامنے آگیا۔ اس ۔'' بہت بھاگ دوڑ کرکے لکھنؤ، الہ آباد اور دہلی کے سفر کئے گئے۔ یہ تینوں سفر بندہ کی نگاہ میں بہت اہم اور ضروری تھے اور ان میں تاخیر اور تعویق سے دونوں جگہ نقصانات کا اندیشہ تھا۔

اس بھاگ دوڑ کا کچھ اندازہ کاتب سطور کے روزنامچہ میں درج سفر نامہ سے ہوتا ہے مشتے نمونہ کے طور پر یہاں اس سلسلہ کی دو منقولات پیش کی جاتی ہیں۔

☆ ۲۸؍ مئی ۲۰۰۴ء/ ۱۰؍ ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ جمعہ ساڑھے دس بجے شب میں سد بھاؤنا ایکسپریس سے شاہدرہ روانہ ہوکر صبح شنبہ نو بجے لکھنؤ پہنچے اور امور متعلقہ مدرسہ انجام دئے۔ مغرب سے عشاء تک عابد علی صاحب وکیل سے مختلف مشورے ہوتے رہے۔ اتوار کی صبح ان سے ملاقات کرکے جامعہ مظاہر علوم کے

۳۷

خلاف دائر ہونے والی رٹ پٹیشن نمبر ۲۰۰۴/۴۷۱ پر خصوصی مشورہ ہوا اور اسی وقت بارہ بجے بڑی گرمی و دھوپ میں بذریعہ بس لکھنؤ سے الہ آباد کے لئے روانگی ہوکر مغرب کے وقت وہاں پہنچا۔ عابد علی صاحب چونکہ ساتھ تھے اس لئے ہوٹل میں قیام کیا گیا اور شب میں دس بجے تک مظاہر علوم کے دو قانونی مشیر گرودر صاحب اور روی کرن جین صاحب سے مل کر ان مقدمات کا جائزہ لیا گیا۔ جو مفتی مظفر صاحب مرحوم نے مجلس شوریٰ کے حدود اختیارات کے سلسلہ میں دائر کر رکھے تھے۔

پیر ۱۱؍ ربیع الثانی کی صبح دس بجے الہ آباد ہائی کورٹ گئے اور وہاں بھی ریکارڈ روم میں فائلوں کا معائنہ کیا گیا۔ بعد ازاں مختصر سا کھانا کھا کر ایک بجے اسی دھوپ و گرمی میں بس سے روانہ ہوکر بعد مغرب آٹھ بجے لکھنؤ پہنچا، اور فوراً ہی اسٹیشن کے لئے روانہ ہوکر دس بجے دہلی کے لئے بذریعہ لکھنؤ میل روانہ ہوا چونکہ ریزرویشن پہلے سے نہیں تھا اس لئے ٹی ٹی سے بات کرکے ریزرو ڈبے میں بیٹھ گئے، سونے کی سیٹ نہیں مل سکی اس لئے دو سیٹوں کے درمیان..... ڈبہ میں نیچے اپنا بستر بچھا کر شب گذاری کی اور صبح آٹھ بجے بعافیت دہلی پہنچا۔

حاجی رحمت اللہ صاحب بخاری سے آج کا دن بندہ کی ملاقات کا طے تھا اس لئے بعد مغرب تا عشاء ان سے طویل مشورہ بابت اصول وضوابط ذیلی مجلس شوریٰ مرکز نظام الدین بموجودگی پروفیسر مسعود عبدالحی (پونہ) ہوا۔

۲؍ جون کو دہلی میں قیام کے بعد ۳؍ جون کی صبح عزیز سلمان صدراسی کی گاڑی سے عزیز مولوی زبیر و مسعود سلمہا کو ساتھ لیکر بخیر و عافیت دو بجے سہارنپور پہنچا۔

لکھنؤ، الہ آباد کے اس سفر میں سوانح حضرت جی ثالث جلد سوم کی مکمل تلخیص اس احقر نے کی اور مولانا محمد شمس الدین صاحب ندوی کے حوالہ کی تاکہ وہ اس کی

تعریب کردیں۔

چنانچہ اس ذیلی شوریٰ کے تعلق سے دوسرا اندراج یہ ہے!

"۲۷رشوال ۱۴۲۵ھ/ ۱۱ دسمبر ۲۰۰۴ء شنبہ میں مرکز کی مجلس شوریٰ بموجودگی جملہ ارکان ہوئی۔ ان اراکین شوریٰ نے مولوی سعد کو بھی بلالیا، وہ آکر خوب برسے سب سے زیادہ غصہ بندہ پر تھا، بار بار احقر کو برا بھلا کہتے رہے۔ شرکائے اجلاس کا کہنا ہے کہ اس پوری مجلس میں زبان فیض ترجمان سے پانچ مرتبہ اس احقر کو "خبیث" کا تمغۂ مرحمت فرمایا گیا۔

اراکین شوریٰ خصوصاً جناب الحاج رحمت اللہ صاحب (بنارس) نے ان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ اس شوریٰ کو بنوانے میں آپ شامل تھے، شاہد ہیں۔ غصہ میں جواب دیا کہ میں نے جو تائیدی دستخط شوریٰ بننے پر کئے ہیں وہ میں واپس لیتا ہوں۔ کام تو میں کر رہا ہوں، آپ لوگ کام کیا جانیں؟ وغیرہ وغیرہ۔"

مسلسل اور متواتر نصف صدی تک اپنی جان مال اور اوقات لگانے والے اراکین شوریٰ نے اس صورت حال سے متاثر اور رنجیدہ ہو کر نیز صاحبزادہ صاحب سے یہ سرٹیفکٹ حاصل کر کے متفقہ طور پر اسی وقت یہ شوریٰ ختم کر کے دونوں کو تحریری طور پر اس کی اطلاع کردی۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا اس آخری اور اختتامی شوریٰ میں سب سے زیادہ گالیاں راقم سطور پر پڑی تھیں۔ لیکن تیرہ سال مدت گذرنے کے بعد پوری خیر خواہی، دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ آج بھی راقم سطور اپنی اس سوچ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے کہ اگر اس ذیلی شوریٰ کا تعاون کیا جاتا اور انانیت وخود رائی اور ضد سے ہٹ کر اس شوریٰ کو کھلے دل سے قبول کرلیا جاتا اور اس کو کام کرنے کا موقعہ فراہم کیا جاتا تو بہت سے فتنے اور حادثے اپنی موت آپ مرجاتے۔ اور وہ رسوائیاں ہرگز پیش نہ آتیں۔ جو بعد میں آگئیں۔

لیکن حضرت حق جل مجدہ کو اپنے پیاروں کی عزت، ان کے نام وکام اور اس روحانی عمل کے نہج ومنہج کی حفاظت تو کسی نہ کسی طرح کرنی ہی تھی اس لئے ایک کے بعد دوسرا سانحہ اور دوسرے کے بعد تیسرا حادثہ ایسے تسلسل وتواتر کے ساتھ سامنے آتا چلا گیا کہ اس نے سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی چھین لیا۔

اور پھر ان حوادث اور سانحات کے نتیجہ میں بہت سے منصوبے خود بخود زمین میں دفن ہوتے چلے گئے۔

(۱) رہائشی مکان اور اس کی تقسیم

زمانہ دراز سے مرکز نظام الدین دہلی کی ایک جانب میں ایک پختہ اور وسیع مکان زنان خانہ کے طور پر موجود چلا آرہا ہے اور غالباً اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنی کہ خود مرکز نظام الدین کی اپنی عمارت کی ہے۔

اس لئے کہ حضرت مولانا محمد الیاس کی زوجہ مرحومہ ہمیشہ اسی زنان خانہ میں مقیم رہیں اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

مولانا محمد یوسف کا پہلا نکاح مسنونہ جب ۳رمحرم ۱۳۵۴ھ/ ۷راپریل ۱۹۳۵ء میں حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کی صاحبزادی مسماۃ زکیہ خاتون سے ہوا تو وہ بھی سہارنپور سے دہلی پہنچ کر اسی مکان میں اتریں۔

بعد ازاں مولانا محمد انعام الحسن کی اہلیہ مرحومہ مسماۃ ذاکرہ خاتون صاحبہ (صاحبزادی حضرت شیخؒ) کا قیام بھی زندگی بھر اسی مکان میں رہا اور یہیں آپ نے آخری سانس لیا۔

پھر اس کے بعد مولانا محمد یوسف کا نکاح ثانی حضرت شیخؒ کی تیسری صاحبزادی مسماۃ راشدہ خاتون صاحبہ سے ہوا تو ان کا قیام بھی وفات تک اسی مکان میں رہا۔

اور جب مولانا محمد اظہار الحسن مرحوم حضرت شیخؒ، حضرت مولانا محمد یوسف اور حضرت مولانا محمد انعام الحسنؒ کے مشورہ سے مرکز نظام الدین آگئے تو ان کی اہلیہ مرحومہ نے

بھی اسی مکان میں سکونت اختیار کرکے یہیں اپنی زندگی کے لیل ونہار پورے کئے۔

پھر بعد کے دور میں مولانا محمد ہارون مرحوم، مولانا زبیر الحسن مرحوم بھی اپنی اپنی زوجات واطفال کے ساتھ اسی مکان میں مقیم رہے۔

نیز اپنی وفات سے کافی عرصہ قبل حضرت جی ثالث، مولانا محمد انعام الحسنؒ نے اسی زنان خانہ کی بالائی منزل پر حضرت مولانا محمد الیاس کی نسبی نسبت کا لحاظ کرتے ہوئے ایک کمرہ مولانا محمد طلحہ صاحب کے لئے بھی تعمیر کرادیا تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ اللہ جل شانہ نے اس چہاردیواری میں بڑی برکت وسکینت مرحمت فرمارکھی تھی اور یہاں رہنے والوں کے سامنے ہمہ وقت رس دعلہ کلان آما کا منظر رہتا تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ مولانا محمد الیاس، مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن نیز مخدومنا شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے مبارک وجود اور ان کی برکت سے یہاں خیر غالب تھی اور شر مغلوب۔ اس لئے قلوب میں اجتماعیت تھی اور سب باہم مجتمع تھے۔

راقم سطور کو اپنے بچپن کا وہ منظر آج بھی خوب یاد ہے کہ روزانہ بعد عصر اس کے صحن میں تین، چار پلنگ بچھا کرتے۔ درمیانی پلنگ پر مولانا محمد یوسف اور دائیں وبائیں پلنگ پر اماں جی صاحبہ مرحومہ (یعنی والدہ مولانا محمد یوسف) اور مولانا محمد انعام الحسن تشریف فرما ہوتے، باقی مستورات اپنے اپنے حساب سے بیٹھتی تھیں۔

اس وقت چائے کا دور چلتا اور گھریلو امور ومعاملات کے ساتھ ساتھ جماعتوں میں آنے والی مستورات (جن کی تعداد اس وقت بہت معمولی ہوتی تھی) کے متعلق گفت وشنید ہوتی اور باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلۂ خیال ہوتا۔

جمعرات کے دن یہ مجلس اس وجہ سے منعقد نہیں ہوتی تھی کہ بستی اور دہلی کی مستورات عصر سے عشاء تک یہاں ہونے والی اجتماعی تعلیم میں شرکت کرتی تھیں۔

مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن کی باہمی رفاقت ومحبت کا نظارہ جس طرح

پورے دن باہر مسجد میں آنے والا مجمع کرتا۔ اسی طرح ان حضرات کی محبت اور رفاقت روزانہ شام کو زنان خانہ میں بھی دیکھنے کو ملتی تھی اور یہ پورا زنان خانہ اس کا چشم دید گواہ بنتا تھا۔ (۱)

تقدیر خداوندی سے جب حضرت مولانا انعام الحسن کا دور مسعود ختم ہوکر ماحول حسد وعناد اور انتقامی جذبات سے تار تار ہوگیا اور بتیس سالہ بگاڑ کو دور کرنے کا موقع ہاتھ آیا تو بہت سے دیگر مطالبات کی طرح اس زنان خانہ سے انخلاء کا مطالبہ بھی سامنے آنے لگا اور اس کے لئے پیہم تقاضے ومطالبے اور روز بروز اس کے لئے مختلف حیلے بہانے تراشے

(۱) ان ہر دو حضرات کی محبت ورفاقت کے گواہ آج بھی ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں لیکن یہاں بطور خاص حضرت شیخؒ کے حوالہ سے ایک گواہی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی پیش کی جاتی ہے۔

اس گواہی سے قبل یہ تخریج ضروری ہے کہ دونوں حضرات کا شوال ۱۳۷۹ھ اپریل ۱۹۶۰ء میں اجتماع رائیونڈ میں شرکت کے لئے سفر کا مسئلہ درپیش تھا۔ مولانا انعام الحسن اپنی علالت کی وجہ سے ہمت نہیں کرپا رہے تھے، جبکہ مولانا محمد یوسف کی طبعی اور دلی خواہش آپ کو اپنا شریک سفر بناکر رائیونڈ لے جانے کی تھی۔ حضرت شیخؒ کے دربار عالیہ میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے اس کو رائے پور دربار قادریہ پر محول کردیا۔

چنانچہ حضرت مولانا اکرام الحسن (والد ماجد مولانا محمد انعام الحسن) حضرت شاہ عبدالقادر کی خدمت میں اس مسئلہ کے دوطلوع سے کرانے رائے پور پہنچے۔

اب حضرت شیخؒ کے مکتوب گرامی محررہ ۲۲ صفر ۹ ۱۳۷ھ/ ۲۷ اگست ۱۹۵۹ء کے حوالہ سے وہ گواہی پڑھئے جو مولانا محمد یوسف اور مولانا محمد انعام الحسن کو ایک مشترکہ خط میں آپ نے تحریر فرمائی، لکھتے ہیں:

"برادر طلوعہ اسی وقت حضرت (رائے پوری) کو کتاب کے سنانے کے درمیان روک کر سنانے گئے بعد مغرب حضرت نے برادر اکرام کو بلاکر تنہائی میں فرمایا کہ میرے نزدیک تو مولوی انعام کو ساتھ ہی جانا چاہئے اس لئے کہ ان کو مولوی یوسف کی معیت میں نظام الدین کا قیام ہموار ہوگا اور وقت ہوگی اور مولوی یوسف کا بھی ان کے بغیر دل نہیں لگے گا۔ ماشاء اللہ دونوں کے تعلقات سے بہت دل خوش ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

چنانچہ حضرت رائے پوری کے اس مشورہ پر دونوں حضرات نے اجتماع رائیونڈ میں شرکت کی۔ اس اجتماع کی تفصیلات کے لئے پڑھئے سوانح حضرت جی ثالث جلد دوم ص: ۳۳۳ (اسی مصنف کے قلم سے)

جائے گے۔ یہاں تک کہ اس مسئلے کی رُوئی شدت اور حدت کے ساتھ ایک کریہہ اور ناگوار شکل اختیار کر لی۔

اس معاملہ میں علامۃ الناس کا سب سے اذیت ناک اور دل و دماغ کو جھنجھوڑنے والا پہلو یہ ہوتا تھا کہ جب اپنے ہی گھر کو نہیں جوڑ سکے تو پوری امت کو کیا جوڑیں گے؟

مولانا زبیر مرحوم کے سامنے جس قدر بار بار علامۃ الناس سے یہ مسئلہ آتا وہ اس کو سن کر اور پی کر صرف ایک جملہ کہہ کر اپنی بات ختم کر دیا کرتے تھے کہ!

"ہمیں حضرت مرحوم اور اللہ صاحب ہمیشہ ساتھ رہے ہیں ہم بھی ساتھ رہیں گے"

مولانا زبیر مرحوم اس معاملہ میں اس قدر حساس تھے کہ اس کے خلاف کچھ سننا بھی نہیں چاہتے تھے۔ لیکن یہ راقم سطور چونکہ اندرونی گھریلو ماحول میں بڑھتی ہوئی دھوپ اور گھٹتے ہوئے سایہ کا اور بیرونی ماحول میں گھٹتی ہوئی روشنی اور بڑھتی ہوئی تاریکی کا خوب مشاہدہ کر رہا تھا اس لئے ان کی اس رائے اور خواہش کا نہ مؤید تھا اور نہ حامی۔ بلکہ ہمیشہ مولانا مرحوم کو یہ مشورہ دیتا تھا کہ باوقار طریقہ پر گھر علیحدہ کر کے پُرسکون زندگی گذاری جائے اس لئے کہ گھر گرہستی کے سنہرے اصول میں یہ بات شامل ہے کہ جس کو اپنے گھر میں سکون نہیں ملتا اسکو پھر پوری دنیا میں کہیں سکون و اطمینان نہیں مل سکتا۔

تیزی کے ساتھ یہ لیل و نہار گذر رہے تھے اور مولانا ظفر علی خان مرحوم (ایڈیٹر اخبار زمیندار لاہور) کے الفاظ میں مشق سخن کے ساتھ ساتھ چکی کی مشقت بھی چل رہی تھی کہ مولانا مرحوم نے دہلی سے مجھے فون کیا کہ ایک ضروری بات کرنی ہے اگر آج شام تک آجاؤ تو بہت اچھا ہے۔

چنانچہ راقم سطور (محمد شاہد) کے مرکز نظام الدین پہنچنے پر انہوں نے مختلف امور کے علاوہ ایک متقی صالح تہجد گذار کا ایک خواب جو سراسر ہمدردی اور غمگساری کا مضمون اپنے اندر لئے ہوئے تھا سنایا اس خواب میں حضرت مولانا محمد یوسفؒ کی جانب سے ایک ایسی

حقیقت کا اظہار تھا جس کی صداقت اور سچائی کا مشاہدہ ان ایام میں ہم سب کو ہو رہا تھا۔ مشاہدہ ہی نہیں بلکہ ہم سب اس کو جھیل رہے تھے۔

راقم سطور نے اس خواب کو سنتے ہی فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے مولانا مرحوم سے گذارش کی کہ اب اس پر عمل درآمد میں تاخیر نہ کی جائے۔ اس لئے کہ خواب میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کا حالات اور واقعات کی روشنی میں صحیح اور سچ ہونا آپ کو بھی معلوم ہے اور مجھے بھی معلوم ہے۔

چنانچہ اس مسئلے کو انتہائی فکر و تشویش کی نگاہ سے دیکھنے والے حضرات جیسے مولانا محمد ابراہیم (دیولہ)، مولانا محمد یعقوب دہلی، جناب فاروق احمد بنگلور، جناب بھائی خالد صدیقی، جناب ثناء اللہ خاں علیگڑھ، جناب الحاج رحمت اللہ انصاری بنارس اور جناب عبدالحفیظ منیار (سورت) کو مولانا نے اطلاع کرادی کہ تقسیم مکان کی کارروائی کرلی جائے۔

چنانچہ اولاً پورے مکان کی پیمائش متعدد زاویوں اور طریقوں سے کرائی گئی پھر اس کو منصفانہ طریقے پر دو حصوں میں تقسیم کر کے ایک واضح خط کھینچ دیا گیا اور مولانا مرحوم کی استغنا اور بے نیازی سے بھرپور اس وضاحت کے بعد کہ میرے لئے تو دونوں حصے برابر ہیں انہوں نے موجود و باقی حصہ کو قبول کر لیا اور پھر فوراً ہی اپنے متعینہ حصے کو پورے طور پر منہدم کرا کر نئی تعمیر کرائی اور خیر و عافیت کے ساتھ اس میں منتقل ہو گئے۔ اور پھر واقعۃً اللہ جل شانہ نے ایسی سہولت و راحت اور سکینت قلب عطا فرمائی کہ اس سے پہلے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اللھم لک الحمد کلہ ولک الشکر کلہ

اللہ تعالیٰ بے حد جزائے خیر عطا فرمائے جناب الحاج حافظ شرافت اللہ دہلوی کو کہ انہوں نے پوری دلچسپی اور ذمہ داری کے ساتھ مولانا مرحوم کے اس مکان کو نہ صرف بہترین طریقہ پر تعمیر کرایا بلکہ سہولت اور راحت کے تمام گوشے بھی اس تعمیر میں ملحوظ رکھے۔ اور اس سلسلہ میں پڑنے والے کسی بھی طرح کے دباؤ سے وہ ہرگز متاثر نہیں ہوئے۔

اس موقع پر ۱۸ جنوری ۲۰۰۶ء مطابق ۱۷ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ میں جو اہم دستاویزی معاہدہ تیار ہوا اس کی نقل اور اس کا عکس دونوں شامل کتاب کیے جاتے ہیں۔

باسمہ تعالیٰ

بنگلے والی مسجد بستی حضرت نظام الدین میں واقع ہمارے حضرات کا زنانہ مکان جس میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور بعد میں مولانا محمد یوسف صاحب اور مولانا انعام الحسن صاحب مقیم رہے۔ اور اب ہم دونوں اس میں رہ رہے ہیں۔

ہم دونوں نے یہ محسوس کیا کہ اب دونوں خاندانوں کے افراد بڑھ گئے ہیں۔ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ ہم دونوں کے اعزہ کی آمد بھی رہتی ہے۔

مکان میں ہماری رہائش کچھ اس طرح ہے کہ ایک طرف کے کچھ حصے میں ایک کا قیام ہے تو دوسری طرف کے کچھ حصے میں دوسرے کی رہائش ہے۔

ہم دونوں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ مکان کے دو حصے کر لیے جائیں تاکہ ہر ایک اپنے اپنے حصہ میں سہولت سے رہے اور ایک دوسرے کا تداخل نہ ہو۔

اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے آپسی مشورے سے اور احباب کے مشورے سے اس کے دو حصے کیے ہیں اور اسے نقشہ بنا کر دو رنگوں میں دکھلایا ہے۔ مستقبل میں دونوں کو اس کا اختیار ہوگا کہ اپنی ضرورت اور سہولت کے لیے اپنے حصے میں جس طرح چاہیں تعمیر کریں اور اس پر ہم دونوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

ہم دونوں اس بات کی بھی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں کہ اس مکان پر ہم میں سے کسی کو بھی ملکیت کا دعویٰ نہیں ہے اور نہ ہی یہ مسجد یا مدرسہ کا حصہ ہے، بلکہ ہمارے بڑوں نے اسے ہمارے لیے وقف کیا ہے۔

نقشے میں جو ہرا رنگ دکھلایا گیا ہے اس میں مولانا زبیر الحسن صاحب اور ان کے گھر والوں کا قیام رہے گا اور گلابی رنگ کے حصہ میں مولانا سعد صاحب اور ان کے گھر والوں کا قیام رہے گا۔

کل مکان کا رقبہ ۳۹۶ مربع گز ہے اور ہر حصے میں ۱۹۸ مربع گز آیا ہے۔

اللہ رب العزت اسے قبولیت نصیب فرمائیں اور ہمارے آپس میں اور خاندانوں میں الفت و محبت کے بڑھنے کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

محمد زبیر الحسن غفرلہ — محمد سعد

گواہان: رحمت اللہ انصاری (بلاری) — محمد یعقوب مکی احمد (دہلی)

ثناء اللہ خاں (میواتی) — محمد ابراہیم غفرلہ (دہلی)

بندہ خالد صدیقی (میواتی) — فاروق احمد (دہلی)

یہ تمام لکھت پڑھت مکمل ہو کر ابھی اس پر عمل درآمد ہوا اور مولانا زبیر مرحوم کے یہاں تعمیری عمل شروع ہی ہوا تھا کہ صاحبزادہ صاحب نے محترم پروفیسر ثناء اللہ صاحب میواتی کے ذریعہ مولانا مرحوم کو پیغام بھیجا کہ مکان کی تقسیم غلط ہوئی ہے۔ لہٰذا دوبارہ پیمائش کرائی جائے گی۔ اس لیے آپ اپنا تعمیری کام روک دیں۔

پروفیسر صاحب جب اس پیغام کو لے کر مولانا مرحوم کے پاس گئے تو ان کا جواب یہ تھا کہ اس معاملہ میں شوریٰ سے بات کرو۔(۱)

جب پروفیسر صاحب نے مجھ تک پیغام پہنچایا تو راقم سطور نے پہلے تو ان سے یہ وعدہ لیا کہ جو جواب میں دوں گا وہی آپ کو "جناب عالی" تک پہنچانا ہوگا۔ اور پھر ان کے وعدہ کرنے پر میرا جواب یہ تھا کہ:

---

(۱) راقم سطور کو بعض ایسے موقعوں پر بلا اختیار حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ یاد آ جاتے کہ ان کا معمول بھی یہی تھا کہ ایسے مواقع پر سوال کرنے والوں کے لئے ان کا جواب یہ ہوتا تھا کہ مولوی انعام سے پوچھو۔

[illegible]

دو ضروری وضاحتیں

[illegible]

[illegible]

جامعہ مظاہر علوم سے تعلق اور ان کی خدمات کی نگرانی

[illegible]

سلجھالیا کرتے تھے۔

جامعہ مظاہر علوم میں جو قضیہ مجلس شوریٰ سرپرستان کے ٹکراؤ اور مقابلہ سے شروع ہوا تھا اور اس کو وقف ورجسٹریشن کا خوبصورت عنوان دے دیا گیا تھا۔ اس میں مولانا مرحوم نے اپنی شخصیت کا تمام وزن اور اپنے تعلقات کی تمام تر وسعتوں کو جامعہ مظاہر علوم اور اس کی مجلس شوریٰ کے پلڑے میں ڈال دیا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وزن سے عدل وانصاف کی ترازو کا وہی پلڑا بھاری رہا۔

بستی نظام الدین دہلی میں مقیم جناب الحاج حافظ کرامت اللہ، جناب الحاج حافظ نعمت اللہ اور الحاج سلامت اللہ دہلوی کی جامعہ مظاہر علوم کے حق میں جس قدر اور جتنی بھی خدمات ہیں اور جن سے کسی بھی وقت انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح جناب ڈاکٹر محسن ولی دہلی کی سرکاری سطح پر پذیرائی اور شناسائی سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے متعدد مواقع کو یہ کاتب سطور کبھی بھی فراموش نہیں کرسکتا۔ اللہ جل شانہ ان سب حضرات کو اپنی شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

ان سب حضرات کی یہ تمام جانفشانیاں اور کوششیں حضرت جی ثالث کے توسط سے مولانا وزیر الحسن مرحوم کے صدقات جاریہ میں داخل ہیں۔

مولانا مرحوم کو اپنی اس مادر علمی سے آخر حیات تک ایسا تعلق خاطر رہا کہ وہ اس کے لئے ہر وقت مضطرب اور متفکر رہ کر تعاون اور اعانت کی نئی نئی شکلیں اختیار کرتے رہتے تھے چنانچہ مختلف علاقوں اور صوبوں کے ذمہ داران تبلیغ تک صحیح احوال کی آگہی، وقت وقت پر مجلس شوریٰ کی طرف سے دیئے جانے والے پیغامات کو علماء اور خواص ملت تک پہنچانا، جامعہ کے لئے اس بے اعتمادی کی فضا میں مالیات کی فراہمی میں اعتماد واعتبار کی بحالی اراکین مجلس شوریٰ سے روابط یہ سب ان کی شخصیت جلیلہ کے ایسے جلی عنوانات ہیں کہ اس پر بہت سے صفحات لکھے جاسکتے ہیں۔

صاحبزادہ سلمہ آج کی طرح اُس وقت بھی اجتماعیت کے مقابلہ میں شخصیت اور اجتماعی نظام کے مقابلہ میں انفرادی نظام کا ساتھ دے رہے تھے اس لئے ان کو مولانا مرحوم کی یہ کوششیں اور کاوشیں بڑی ناگوار گذرتی تھیں۔

مرحوم گاہ بگاہ بڑے اہتمام سے مظاہر علوم کے حوالہ سے راقم سطور کی ملاقاتیں اہم شخصیتوں سے بھی کراتے رہتے تھے۔ جس کے نتیجہ میں جامعہ کو زبردست فوائد اور منافع حاصل ہوتے۔

مظاہر علوم کی الجھنوں اور مشکلات کے دفعیہ کے حوالہ سے مولانا مرحوم کا معاملہ راقم سطور کے ساتھ اچھے اچھوں کے عقل وفہم سے بالاتر تھا۔ جب جب یہ راقم سطور کسی کام سے ان کو کوئی خط بھیجتا تو وہ اس کا نہ صرف بھرپور اہتمام کرتے بلکہ ہر طرح کی تسلی وتشفی دیتے ہوئے اپنی تمام کوششیں اس کے حل میں لگادیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم سطور نے مظاہر علوم سہارنپور کے ایک اہم معاملہ میں ان کو خط تحریر کیا اور اہمیت کے پیش نظر مولوی قاری عمار الہاشمی کے ذریعہ دستی حضرت نظام الدین دہلی ان کی خدمت میں بھیجا جس پر یکم رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ/۲۴ فروری ۱۹۹۳ء میں ان کا جواب موصول ہوا جس میں تحریر تھا کہ!

"رات کو تراویح کے بعد مولوی عمار سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے تمہارا محبت نامہ دیا جس کو پڑھ کر خیریت معلوم ہوکر اطمینان ہوا۔

تم نے جس مقصد سے مولوی عمار کو بھیجا اس پر بہت ہی حیرت اور افسوس اور تعجب ہوا کہ اتنے سے کام کے لئے یہ قدم اٹھایا۔ تمہارا پرچہ ہی ماشاء اللہ سب کچھ ہے۔

آج تو اتوار نکل آیا۔ کل کو انشاء اللہ کوشش کرتے ہیں اللہ آسان فرمائے اور خیر فرمائے۔ تمہاری اور مدرسہ کی طرف سے اکثر فکر لگا رہتا ہے۔ طرح طرح

کی زیارت سے بھی مشرف [illegible] سے [illegible] میں کے
[illegible] سے محفوظ فرماوے۔

[illegible] کے [illegible] میں [illegible] سے [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible] اطمینان [illegible] ہے۔

[illegible]

[illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] ہے۔
[illegible] ہے۔
[illegible] ہے۔

[illegible] مولوی [illegible] کے [illegible]
[illegible] چاہیے۔
[illegible]
[illegible] ہیں۔

[illegible] ہوگی۔

والسلام
محمد زکریا

[illegible]
[illegible]

(۲۵) [illegible]
[illegible]
[illegible] گے۔

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] آئے گے۔
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔

[illegible] ہے۔
[illegible] دیا۔

والسلام محمد زکریا

(۲) [illegible]
[illegible]
[illegible] گے۔
[illegible]
[illegible]

بارہ بنکوی مقیم بستی حضرت نظام الدین دہلی وغیرہ) کو بھیجتے اور وہ مولانا مرحوم کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا مدنی کی تقریر شروع ہوتے ہی اس کا رابطہ اپنے موبائل کے ذریعہ مولانا کے موبائل سے قائم کر دیتے اور مولانا اسی وقت پوری تقریر اپنے کمرہ میں بیٹھے ہوئے سن لیا کرتے تھے۔ ملاقاتیں بھی طرفین میں کثرت کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں اور اللہ جل شانہ بہت جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مدنی موصوف کو کہ مولانا مرحوم کی وفات کے بعد بھی ان کے فرزندوں سے ربط و تعلق کا یہ تسلسل قائم اور باقی رکھا۔

(۳) اسی طرح مولانا مرحوم کو راقم سطور کے قائم کردہ قرآنی ادارہ "مدرسۃ الشیخ محمد زکریا لتحفیظ القرآن الکریم سہارنپور" سے بھی گہری وابستگی اور دلی ہمدردی تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً اس کا مالی تعاون بھی کرتے رہتے تھے۔

یقینی طور پر یہ دنیا کا وہ پہلا اور آخری مدرسہ ہے جس کے سالانہ جلسوں کی تاریخ وہی طے کرتے اور بڑے اہتمام کے ساتھ شروع سے آخر تک اس کی کارروائی میں شریک رہ کر اختتام جلسہ کی دعا کراتے تھے۔

ایک مرتبہ ان کے پاس مجمع الملک فہد مملکت عربیہ سعودیہ سے شائع ہونے والے قرآن مجید بڑی تعداد میں آئے تو وہ انہوں نے مدرسۃ الشیخ میں یہ کہہ کر جمع کرا دیئے کہ جلسۂ سالانہ کے موقع پر حفاظ کو میری طرف سے بطور انعام دے دیں۔

مدرسہ کی اس موجودہ توسیع و ترقی میں یقیناً ان کی دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

جیسا کہ اوپر لکھا گیا مولانا مرحوم ہر سال بڑے اہتمام سے اس کے سالانہ جلسہ میں شرکت کیا کرتے تھے۔ اس مقصد کے لئے ان کی زندگی کا آخری سفر ۲۳ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ / ۳۰ ستمبر ۲۰۱۳ء پیر میں ہوا تھا۔ اس موقعہ پر وہ بذریعہ ٹرین سہارنپور پہنچے اور بڑے پیمانے پر ہونے والے مدرسۃ الشیخ کے سالانہ جلسہ میں شرکت کر کے جلسہ کی اختتامی دعا کرائی۔